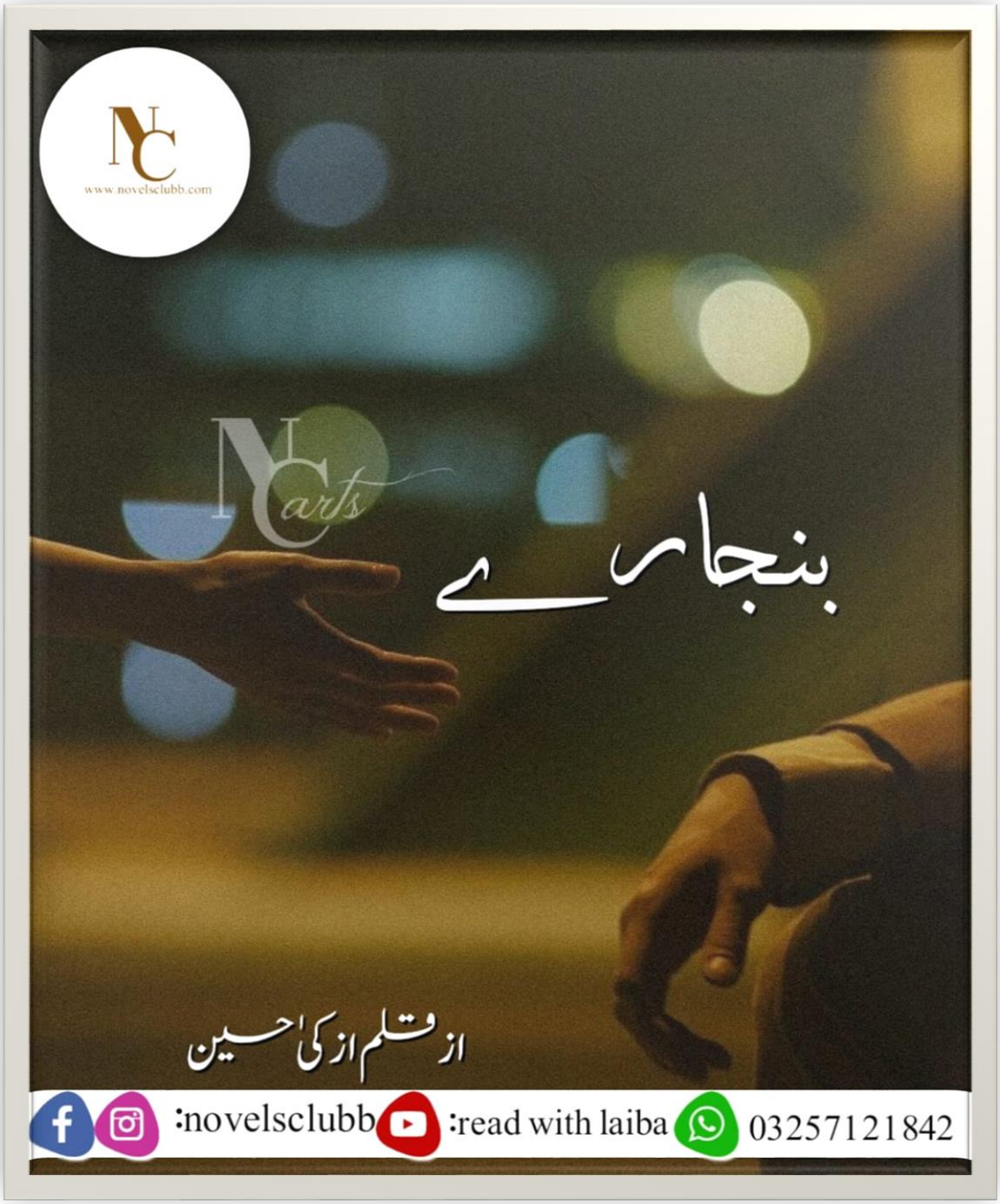
www.novelsclubb.com
بنجارے
از قلم از کی احسین
:novelsclubb
:read with laiba
03257121842

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔

ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔

آپ اپنا لکھا ہوا ناول،افسانہ،شاعری، ناولٹ،کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں ورڈ فائل یا ٹیکسٹ فارم میں میل کریں

novelsclubb@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک،انسٹا پیج اور واٹس ایپ کے ذریعے بھی ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔

FB PAGE:

NOVELSCLUBB

INSTA:

NOVELSCLUBB

WHATSAPP:

03257121842

بنجارے

از قلم

از کی حسین

www.novelsclubb.com

بنجارے (از کیٰ حسین)

باب اوّل:

"پیشہ ور مجرم"

غابانیہ کے دارالحکومت، نہران میں ایک رات لمحہ بہ لمحہ سرک کے آخری پہر کو آن پہنچی تھی۔اس پہر کی خاموشی حاتم بن خیام کے کانوں میں شور بن کے گونج رہی تھی۔وہ ایک درخت کے تنے سے ٹیک لگائے آنکھیں بند کیے بیٹھا تھا۔کچھ لمحے مزید اسی خاموشی میں کٹے۔اور پھر دور کہیں کسی مسجد میں بابلند آواز میں اذان دی جانے لگی۔

"اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے۔"

اس نے دھیرے سے آنکھیں کھولیں۔فجر صادق کی نیم روشنی میں ہلکے سنہری رنگ کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔

"اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے۔"

وہ سر آسمان کی طرف بلند کر کے مسکرایا۔"بے شک۔"

"میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔"

وہ ہتھیلیاں زمین پہ جمائے، سہارا لے کر اٹھا اور دونوں ہاتھ باہم جھاڑے۔

"میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔"

وہ گھوم کر درخت کے پیچھے گیا اور تنے سے بندھی اپنے برف جیسی سفید گھوڑی کی لگام کھولی۔

"میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔"

لگام ہاتھ میں پکڑے وہ اب ڈھلان سے نیچے اتر رہا تھا۔ سفید گھوڑی بخوبی اپنے مالک کی تابعداری کر رہی تھی۔

"میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔"

ڈھلان اتر کے وہ ندی کے کنارے آیا اور پتلے سے کپڑے سے سلی سفید شرٹ کے آستین کہنیوں سے اوپر تک موڑے۔

"آؤ نماز کی طرف۔"

اس نے ٹخنوں سے اوپر تک آتے سیاہ، لیدر کے بوٹ اتارے اور انہیں ایک

طرف رکھا۔

"آؤ نماز کی طرف۔"

وہ دو قدم چل کے پانی کے قریب گیا اور پنجوں کے بل نیچے زمین پہ بیٹھا۔ گھوڑی قدرے فاصلے پر ندی کے پانی سے اپنی پیاس بجھانے لگی۔

"آؤ کامیابی کی طرف۔"

وہ ندی کے پانی سے وضو کرنے لگا۔

"آؤ کامیابی کی طرف۔"

وہ اب پانی کے چھینٹے منہ پہ مار رہا تھا۔ ٹھنڈا ٹھنڈا پانی اندر تک راحت پہنچا رہا تھا۔

www.novelsclubb.com

"اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے۔"

"اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔"

اذان مکمل ہوئی تو وہ وضو ختم کر کے اٹھ چکا تھا۔ اس نے پہلا کلمہ پڑھا اور بوٹ پہن کے واپس درخت تک آیا۔

درخت کے تنے کے ساتھ رکھے تھیلے میں سے اس نے گہرے بھورے رنگ کی لیدر جیکٹ نکالی اور اسے زمین پہ پھیلایا۔وہ جس مقام پہ کھڑا تھا وہ قدرے اونچا تھا ۔وہاں سے آبادی کا سارا منظر صاف دکھائی دیتا۔اس کے سامنے رات کی تاریکی میں ڈوبا اس کا وطن....اس کا نہران آہستہ آہستہ روشن ہونے لگا۔گھروں کے چراغ جلنے لگے۔لوگ بیدار ہونے لگے۔

اس نے وہیں درخت کے نیچے کھڑے ہو کے نماز پڑھی اور ایک مرتبہ پھر درخت سے ٹیک لگائے بیٹھ گیا۔لمحے بیتتے گئے۔وقت آگے بڑھتا گیا۔یہاں تک کے دور اُفق پہ سورج اجاگر ہونے لگا۔اس نے سنہری آنکھیں دوبارہ بند کر لیں۔ کچھ وقت مزید گزرا تھا جب دو قدموں کی چاپ اس کے کانوں میں گونجنے لگی۔لمحہ بہ لمحہ آواز قریب تر ہوتی گئی۔آنکھیں کھولے بنا بھی وہ بتا سکتا تھا کہ وہ کس کے قدموں کی چاپ تھی۔

سنہری آنکھیں بے ساختہ کھلیں تو پاؤں تک آتے سفید لباس کے اوپر سیاہ چغہ پہنے وہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔بیضوی چہرہ،بے حد گہرے سیاہ رنگ کے بال،

اور بادام کی شکل کی سبز آنکھیں۔ بالکل غابانیہ کے ہرے جنگلات جیسی۔اسے تو کسی ریاست کی شہزادی ہونا چاہیے تھا مگر وہ شہزادی نہیں تھی۔وہ کوہستان کے کسی پسماندہ قصبے میں مقیم ایک غریب سے کسان کی بیٹی تھی۔

سبز آنکھیں اس پہ مرکوز کیے وہ اسے بے حد اپنائیت سے دیکھ رہی تھی۔یا شاید حاتم کو اس کی نگاہ میں اپنائیت محسوس ہوئی۔

"جانتا ہوں خوبصورتی کو سراہے بغیر رہا نہیں جا سکتا لیکن اس طرح مت دیکھو مجھے۔" حاتم نے سر تنے سے الگ کیا اور جتا کے کہا۔

"بے شک تم خوش شکل ہو۔" وہ پلکیں جھپکا کے سادگی سے بولی۔

حاتم نے آنکھیں چھوٹی کر کے اسے دیکھا۔(یہ اور میری تعریف کرے؟ ناممکن!)

"مگر نہران کے شہزادے تو پھر بھی نہیں ہو۔" تمسخرانہ مسکراہٹ چہرے پہ سجائے اس نے چوٹ کی۔

حاتم کے اندر تک کڑواہٹ گھل گئی۔(کیا ہر بات میں نہران کے شہزادے کا

تذکرہ کرنا ضروری ہوتا ہے؟)اس نے بے بسی بھری خفگی سے سوچتے ہوئے سر جھٹکا۔

"تم نے آج آنے میں دیر کر دی؟" وہ اٹھ کے کھڑا ہوا اور ہاتھ سیاہ پینٹ پہ جھاڑے۔

"ہوں۔ ضروری کام تھا۔" وہ چل کے قریب آئی اور بے نیازی سے کندھے اچکائے۔ "تم سکے لائے ہو؟"

"ظاہر ہے۔ اپنی جان عزیز ہے مجھے۔" چھوٹی سی ایک پوٹلی اسے پکڑا کے اس نے دونوں ہاتھ اٹھا دیئے۔

کسان کی بیٹی نے پوٹلی کھول کے دیکھی اور پھر مسکرائی۔ "جان ہر کسی کو عزیز ہوتی ہے، شاہی خادم۔ مگر تم سے یہ سب میری تمہیں جان سے مار دینے کی دھمکی نہیں کروا رہی۔" اس نے مسکرا کے سر دائیں بائیں ہلایا۔ "تم چاہتے تو اس ملاقات کے بعد بھاگ جاتے۔ آخر تم سلطان کے محل میں خادم ہو۔ اور میں ٹھہری ایک غریب سے کسان کی بیٹی جو کہ اس ملک کی بھی نہیں ہے۔ میں تمہارا کیا ہی بگاڑ

لیتی۔"اس نے تکان سے کہہ کر ڈھلان کا رخ کیا۔

"بگاڑ تو خیر تم میرا بہت کچھ لیتیں۔"منہ میں بڑبڑاتا وہ بھی جلدی میں اپنا تھیلا اٹھاتا اس کے پیچھے لپکا۔

قدم اس کی تیز چال سے ملائے۔

"مگر تم ہر روز یہاں مجھے یہ سکے دینے آتے ہو۔کیونکہ تم وطن سے محبت کے آگے مجبور ہو۔تم اپنے لوگوں کو اس حالت میں نہیں دیکھنا چاہتے۔اس لیے اپنی طرف سے جو مدد تم انہیں پیش کر سکتے ہو،وہ کرتے ہو۔"وہ تیزی سے ڈھلان اترتی پیچھے مڑ کے دیکھنے کی زحمت بھی نہیں کر رہی تھی۔حاتم کے قدم سست پڑے۔اس نے آنکھوں میں چمک لیے سیاہ بالوں والی لڑکی کو دیکھا۔اس کے چغے کی ہڈ پیچھے قمر پہ گر رہی تھی۔آگے سے دونوں طرف سے تھوڑے تھوڑے بال پیچھے اکٹھے کر کے ان میں سفید رنگ کا ربن لگا رکھا تھا۔قدرے سوچنے کے بعد حاتم نے اسے پکارا۔

"سنو۔"اس کی پکار پہ وہ واپس پلٹی۔وہ ڈھلان اتر چکی تھی جبکہ حاتم ابھی اس

سے قدرے اونچے مقام پہ کھڑا تھا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" نیم سنہری آنکھیں سبز آنکھوں پہ جمائے اس نے استفہام سے کسان کی بیٹی کو دیکھا۔

"بنتِ آدم۔" وہ استہزاء سے مسکرائی۔ مسکراہٹ ایسی کہ لوگ اس پہ جان وار دیں۔

جواب وہی آیا تھا جو پچھلے چھ ماہ میں پندرہ مرتبہ پوچھے جانے پر اس نے دیا تھا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" اس نے آنکھوں میں شرارت لیے سوال کیا۔

"ابنِ حوا۔" جواب حاتم کا بھی نہیں بدلا۔

کسان کی بیٹی کھلکھلا کے ہنسی اور پھر آگے بڑھ گئی۔ حاتم بھی اس کے پیچھے چل دیا۔

وہ دونوں پچھلے تین ماہ سے روزانہ کی بنیاد پر ریاستی خزانے میں سے کچھ سکے چرانے کے جرم میں شراکت دار تھے مگر ایک دوسرے کے نام سے اب تک نا واقف تھے۔ شاید کبھی کسی دن ان دونوں کے بیچ اعتماد کا رشتہ قائم ہو جائے تو وہ

ایک دوسرے کو اپنے نام بتادیں۔شاید!

قدم سے قدم ملا کے چلتے وہ دونوں بازار کی حدود میں آ پہنچے۔سورج مکمل طور پہ طلوع ہو چکا تھا۔نہران کے لوگ جاگ چکے تھے۔اور اب دن کی شروعات کرنے کے خواہشمند نظر آتے تھے۔بازار کی گلیوں میں لوگوں کا رش لگا تھا۔کچھ لکڑی کی دکانوں میں گھسے تھے تو کچھ ریڑھیوں پہ فروخت ہوتا سامان لینے میں مشغول دکھائی دیتے تھے۔

وہ دونوں بازار میں بنے دواخانے سے ایک مخصوص دوا خریدنے کی نیت سے وہاں آئے تھے۔

ہر روز جو مقررہ رقم حاتم لاتا تھا اس سے وہ دونوں وہی خاص دوا خریدتے اور پھر یتیم خانے کے بچوں تک پہنچا دیتے۔وہ دوا روز مرّہ کی بنیاد پہ کھانا نہران کے ہر شہری کی ضرورت تھی۔اور جو اس کا استعمال نہیں کرتے تھے ان کا انجام المناک ہوتا تھا۔

ان دونوں کے بیچ اس کام میں شراکت داری کی بنا پر ہوئی دوستی کے علاوہ اور

کوئی مضبوط رشتہ نہ تھا۔ مگر انسانیت کے ناتے قائم کیا گیا یہ تعلق حاتم بن خیام کے لیے کب اتنا اہم ہو گیا اسے خود بھی معلوم نہ ہو سکا۔

دوا خریدنے کے بعد وہ مطلوبہ علاقے میں پہنچے جہاں مخروطی چھتوں والے لکڑی کے مکان تھے۔ نہر ان میں سارے مکان اسی طرز کے تھے۔ وہ دونوں گلی کے کونے میں بنے ایک بڑے گیٹ والے گھر کی طرف گئے اور پھر دوائیوں کا تھیلا یتیم خانے کے نگران کو پکڑا دیا، جو بنا کوئی سوال جواب کیے محض شکریہ ادا کیا اور واپس اندر چلا گیا۔ یہ ان کا روز کا معمول تھا۔

کچھ بچے جو باہر بنے بڑے سے صحن میں کھیل رہے تھے ان کی طرف بھاگے۔ ان سے سلام دعا کرنے کے بعد وہ واپس آ رہے تھے جب ایک قہوہ خانے کے قریب سے گزرے۔ حاتم نے اصرار کیا تو کسان کی مغرور بیٹی اس کے ساتھ ایک پیالی چائے پینے پر آمادہ ہو ہی گئی۔ ایسے خوشگوار دن کم ہی آتے تھے جب وہ اسے اپنی سنگت میں چائے کی ایک پیالی پینے کا شرف بخشتی تھی۔

قہوہ خانہ بھی مخروطی چھت سے ڈھکا تھا۔ باہر لکڑی کے میز اور کرسیاں بچھی

تھیں۔چند میزوں کے ساتھ کرسیوں کے بجائے لکڑی کے بینچ بچھے تھے۔وہ دونوں ایک طرف موجود خالی میز پہ آ کے بیٹھے اور خادم کو چائے لانے کا حکم دیا۔

"رمالیہ کی شہزادی کی جلاوطنی ختم ہونے میں صرف چالیس دن رہ گئے ہیں۔"

اس سے پہلے وہ دونوں گفتگو کا آغاز کرتے ان کے پیچھے والے میز پہ بیٹھے مردوں میں سے ایک نے کہا۔

"مگر شہزادی کو جلاوطن کیوں کیا گیا تھا؟" دوسرے مرد نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

"اس نے شاہی دربار میں وزیر اعلی کے سینے پر خنجر چلایا تھا۔اور چونکہ وزیر پہ کوئی جرم ثابت نہیں ہوا اس لیے شہزادی کو ایک سال کے لیے جلاوطن کر دیا گیا۔"تیسرے مرد نے اپنا حصہ ڈالتے ہوئے وضاحت کی۔

"لیکن شہزادی بلاوجہ وزیر اعلیٰ پر جان لیوا حملہ کیوں کرے گی؟"دوسرے والے مرد نے حیرت سے آنکھیں پھیلائیں۔

"کیونکہ رُخارا کی شہزادی کا دماغ خراب ہے۔اگر لحاظ اور مروّت جیسی چیزیں

وجود رکھتی ہیں تو شہزادی ساشا کی لغت میں ان کا کوئی نام و نشان نہیں ہے۔" آدمی نے خفگی سے سر جھٹکا۔ "کہتے ہیں غصہ ہمیشہ اس کی ناک پہ رہتا ہے۔ مسکرانا تو جیسے اس نے سیکھا ہی نہیں۔ نہ ہی شہزادیوں جیسی نزاکت ہے اس میں۔"

"پھر بھی سلطان عزیز نے ایک وزیر کے لیے اپنی بیٹی کو جلاوطن کیوں کر دیا؟"

"کیونکہ سلطان عزیز ایک عادل اور انصاف پسند حاکم ہے۔ ویسے بھی وہ وزیران کا ہونے والا داماد تھا۔ شہزادی کے انکار کے باوجود سلطان اس کی شادی وزیر اعلیٰ سے کرنا چاہتے تھے۔ اور شہزادی کو یہی بات کھٹکتی تھی اسی لیے اس نے مسئلے کو جڑ سے ہی ختم کرنا چاہا۔" تیسرے مرد نے استہزائیہ ہنس کر شہزادی کو جیسے داد دی۔ باقی دونوں نے بھی قہقہہ بلند کیا۔

"تم کبھی ملے ہو شہزادی ساشا سے؟" اپنے پیچھے بیٹھے مردوں کو نظر انداز کر کے وہ سامنے بیٹھے حاتم کی طرف متوجہ ہوئی۔

"نہیں۔ لیکن میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔" حاتم کی آنکھیں چمکیں۔ بنتِ آدم نے آنکھیں سکیڑ کے اسے دیکھا۔

www.novelsclubb.com

اتنے میں خادم لکڑی کی ٹرے میں موجود چینی کی سفید پیالیاں ان کے سامنے رکھ کے گیا تو گرم چائے سے نکلتی بھاپ دونوں کے درمیان حائل ہونے لگی۔

"کیا بات ہے شاہی خادم۔ کہیں تم بھی شہزادی کے چاہنے والوں میں تو شامل نہیں ہو؟" سامنے بیٹھی لڑکی نے ہاتھ سے چہرے کے آگے آئی بھاپ اڑائی تو اس کی سبز آنکھیں استہزاء سے چمکیں۔

"اللہ کی پناہ۔" حاتم نے دونوں ہاتھوں سے کان چھوے۔ "مجھے اپنا دل بہت عزیز ہے۔" سہم کر اس نے دائیاں ہاتھ سینے پہ رکھا۔

کسان کی بیٹی کر ہنسی۔ "تمہیں ڈر ہے کہ وہ وزیر اعلیٰ کی طرح تمہارے سینے پر بھی خنجر چلا دے گی؟"

www.novelsclubb.com

"اور نہیں تو کیا۔" حاتم نے سر جھٹکا۔ پھر چہرے کے تاثرات سنجیدہ کیے۔ "میں صرف یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ لوگ اس کے بارے میں جو کہتے ہیں وہ سچ ہے بھی یا محض افواہ۔"

"مثال کے طور پر؟" اس کا دائیاں ابرو اٹھا۔

"یہی کے وہ عام شہزادیوں جیسی نہیں ہے۔" حاتم نے دھیرے سے کندھے اچکائے۔

"شہزادیاں عام نہیں ہوتیں شاہی خادم۔" کسان کی بیٹی نے عام پہ زور دیا۔

"لیکن شہزادی ساشابنتِ خالد کچھ زیادہ ہی نایاب ہے۔" وہ قدرے آگے جھکا۔ دونوں کہنیاں لکڑی کے میز پہ ٹکائیں۔ "اس کے خواب....اس کے عزائم ....کچھ بھی عام شہزادیوں جیسا نہیں ہے۔" وہ جیسے کچھ یاد کر رہا تھا۔ "تین سال پہلے میں سلطان کے سفارتی وفد میں شمولیت حاصل کرنے کے بعد ان کے ساتھ رُخارا گیا تھا۔ پانچ دن وہاں قیام کیا۔ شاہی دربار لگا مگر شہزادی کہیں نظر نہیں آئی۔ سلطان کے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ وہ جنگل میں زندہ رہنے کی تربیت حاصل کرنے میں مصروف ہے۔ تیسرے دن وہ واپس آئی اور نہران کے امیر (شہزادے) نے اس سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ جسے مغرور شہزادی نے لحاظ، مروت دکھائے بغیر مسترد کر دیا۔" اس نے تلخی سے سر جھٹکا۔ (بھلا اتنا بھی کیا نخرہ جو پڑوسی ملک کے شہزادے سے ملنے سے بھی انکار کر دیا۔ ہونہہ!)

"کہتے ہیں شہزادی نے سولہ سال کی عمر میں جنگجوؤں کے سیکھے جانے والے ہر کام میں مہارت حاصل کرلی تھی۔ گھڑ سواری، تلوار بازی، تیر اندازی، اسے سب آتا ہے۔ وہ اس خطے کی سب سے زیادہ حسین اور عاقل شہزادی ہے۔ اس کا سب سے بڑا ہنر اس کی قائدانہ صلاحیتیں ہیں۔ شہزادی ساشا میں اتنی ذہانت اور قابلیت ہے کہ وہ پورے رمالیہ کی افواج کی سربراہی کر سکتی ہے۔ لیکن شہزادی کے خواب اس سے بھی بڑے ہیں۔ وہ مستقبل کے رمالیہ کی سلطانہ بننا چاہتی ہے۔ افسوس اس کا یہ خواب، اب فقط خواب ہی رہ جائے گا۔ جلاوطن ہوئے لوگوں کو حکومتی عہدے نہیں ملتے۔" حاتم نے ایک گہری سانس لے کر چائے کی پیالی اٹھائی اور اسے لبوں سے لگایا۔

کسان کی بیٹی نے بھی بجھے دل سے پیالی اٹھائی۔ شاید اسے شہزادی ساشا کے خوابوں کا یہ انجام پسند نہیں آیا۔

"کیا نہران کا شہزادہ بھی شہزادی ساشا کا مداح ہے؟" نجانے اسے کیا سوجھی جو اس نے یہ سوال کر ڈالا۔

حاتم نے استفہامیہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"ابھی تم نے کہا کہ نہران کا امیر شہزادی ساشا سے ملنا چاہتا تھا۔" اس نے کندھے اچکاتے ہوئے چائے کی پیالی منہ سے لگائی۔

"ہاں۔" وہ چند لمحے سوچنے کے بعد دھیرے سے مسکرا کے چمکتیں آنکھوں کے ساتھ بولا۔ "نہران کا امیر بھی شہزادی ساشا کی ذہانت کا مداح ہے۔"

"نہران کے امیر سے یاد آیا۔" پیالی نیچے کر کے وہ تیزی سے بولی۔ "سلطان نے اس سال اپنا ولی عہد مقرر کرنا ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے، ولی عہد کون بنے گا؟"

"جبلین کا شہزادہ تیمور ہی ہو گا ولی عہد۔ غابانیہ کا اگلا سلطان وہی بنے گا، لکھوالو مجھ سے۔" اس سے پہلے حاتم جواب دیتا ان کے پیچھے بیٹھے مردوں میں سے ایک نے تبصرہ کیا۔

"ضروری تو نہیں۔" کسان کی بیٹی نے تند ہی سے تبصرہ کرنے والے مرد کو دیکھا۔ "ممکن ہے چھوٹا امیر زیادہ مستحق ہو اس عہدے کا۔"

"جس نے اتنے سالوں میں پلٹ کر اپنے ملک کی خبر تک نہیں لی وہ کیسے مستحق

ہو سکتا ہے؟"آدمی نے خفگی سے سر جھٹکا۔"جبلین کا شہزادہ جیسا بھی ہے، کم از کم وہ ہمیشہ اپنے ملک میں مقیم رہا۔اور ایک ہمارا شہزادہ ہے جسے کسی نے کبھی دیکھا تک نہیں۔"اکتاہٹ سے کہتا آدمی اپنے سامنے رکھے ناشتے کی طرف متوجہ ہو گیا تو دوسرے نے کہنا شروع کیا۔

"اور ویسے بھی غابانیہ کے ولی عہد ہمیشہ بڑے بیٹے ہی بنتے ہیں۔چونکہ شہزادہ تیمور عمر میں تین سال بڑا ہے اس لیے ولی عہد وہی بنے گا۔"خادم اس کا ناشتہ بھی پیش کر کے گیا تو وہ بھی اس پہ ہاتھ صاف کرنے لگا۔

"نہران کا امیر لوگوں میں اتنا غیر مقبول کیوں ہے؟"کسان کی بیٹی نے مشکوک آنکھوں سے پوچھا۔

www.novelsclubb.com

(عربی زبان میں امیر، شہزادے کو کہتے ہیں۔)

"جب وہ نو برس کا تھا تو اپنی ماں، سلطانہ کے ہمراہ حداد منتقل ہو گیا تھا۔"حاتم نے چائے پیتے ہوئے عارضی سے انداز میں کہا۔

"کیوں؟"

"سلطانہ کو کوئی موزی بیماری لاحق تھی جس کا اعلاج صرف حداد کے طبیبوں کے پاس تھا اس لیے سلطان نے اپنی ذوجہ کو چند شاہی خادموں کے ہمراہ حداد بھیج دیا۔ شہزادہ اپنی ماں کو اکیلے نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ اس لیے اس کی ضد پہ سلطان نے اسے بھی ساتھ جانے کی اجازت دے دی۔" اس نے توقف کیا۔ پھر سبز آنکھوں میں دیکھ کے تمسخر سے مسکرایا۔ "لوگ سمجھتے ہیں اتنے سال وطن سے دور رہنے کے بعد شہزادے کے دل میں حب الوطنی نہیں رہی۔"

"ایسا صرف لوگ سمجھتے ہیں۔ یا حقیقت میں ایسا ہی ہے؟" اس نے آنکھیں چھوٹی کر کے اچنبھے سے حاتم کو دیکھا۔

"یہ تو شہزادہ بہتر بتا سکتا ہے۔" حاتم نے کندھے اچکا دیئے۔

چائے پینے کے بعد وہ دونوں نہران کی گلیوں سے گزر کے واپس ندی کے کنارے پہنچے۔ عموماً وہ بازار کے چکر کے بعد ندی کنارے واپس نہیں آتی تھی۔ مگر آج وہ اس کے ساتھ واپس آئی تھی اور اب وہ دونوں چڑھائی چڑھ کے اوپر درخت کے پاس کھڑے تھے۔ سامنے سارے نہران کا خوبصورت نظارہ دکھائی دیتا تھا۔

صبح اب باسی ہو چکی تھی۔ سورج آنکھیں دکھا رہا تھا۔ آبادی والی طرف منہ کر کے کھڑا ہونا مشکل ہو گیا تو وہ دونوں ندی کی طرف منہ کیے کھڑے ہو گئے۔

حاتم کی گھوڑی آس پاس کے سبزے پہ گھاس چر رہی تھی۔

"میں قائرہ واپس جا رہی ہوں۔" ندی کے پانی پہ نظریں جمائے اس نے سپاٹ انداز میں کہا۔ حاتم کو اپنے پیروں تلے سے زمین کھسکتی ہوئی محسوس ہوئی۔

"کیوں؟" بے ساختہ اس کے ہونٹوں نے حرکت کی۔

"میرے بابا کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ انہیں میری ضرورت ہے۔" وہ اداسی سے مسکرائی اور پھر چہرے کا رخ اس کی جانب کیا۔ "ویسے بھی یہ وطن میرا نہیں ہے۔ میں تو اپنی بیمار ماں کے آخری دنوں میں ان کے ساتھ رہنے آئی تھی۔ کیا معلوم تھا کہ نہران مجھے جینے کے لیے ایک مقصد فراہم کر دے گا۔" وہ کہتی گئی اور حاتم برف کا مجسمہ بنے اسے سنتا گیا۔

وہ اسے کوہستان روانہ ہونے والے کسی قافلے کے بارے میں آگاہ کر رہی تھی۔ وہ خود بھی اسی قافلے کے ساتھ روانگی کا ارادہ رکھتی ہے، شاید وہ اسے یہ بتا رہی

تھی۔ وہ اور بھی بہت کچھ کہہ رہی تھی۔ مگر حاتم کو اس کی آواز بحرِ ہند کی آخری تہہ میں سے آتی ہوئی سنائی دے رہی تھی۔

اس کی روانگی وہ آخری چیز بھی نہیں تھی جس کی اس نے توقع کی تھی۔ نہ ہی پچھلے پانچ مہینوں میں کبھی اس بارے میں سوچا تھا۔ محض یہ سوچ کہ ایک دن وہ اس کی زندگی سے نکل جائے گی دل کو زخمی کر دیتی تھی۔ اس لیے اس نے یہ امکان نظر انداز کرنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی۔ اور اب اس کے سامنے کھڑی وہ بے حد آرام دہ سے انداز میں حجر کی خبر سنا رہی تھی۔ وہ اس کے ساتھ ایسا کیسے کر سکتی تھی؟ اتنا دور لے جا کر ہاتھ کیسے چھڑا سکتی تھی؟ کیا وہ جانتی نہیں کہ وہ اس کے لیے کس قسم کے جذبات رکھتا ہے؟

www.novelsclubb.com

ان دونوں کے بیچ اس موضوع پر کبھی کوئی براہ راست گفتگو نہیں ہوئی تھی۔ مگر محبت کے اظہار کو الفاظ کی ضرورت تو نہیں ہوتی۔ والدہ کہتی ہیں، دلی جذبات محسوس کرنے کے لیے صرف آنکھیں ہی کافی ہوتی ہیں۔ اور حاتم بن خیام کی ہلکی سنہری آنکھیں چیخ چیخ کر بنتِ آدم سے محبت کا اعتراف کرتی تھیں۔ اس لیے ایسا تو

ممکن ہی نہیں تھا کہ وہ اس کے دل کے حال سے بخوبی واقف نہ تھی۔اور وہ یہ بات بھی پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا تھا کہ اس کے جذبات یک طرفہ نہیں تھے۔ وہ بھی اس کے لیے دوستی سے بڑھ کر جذبات رکھتی تھی۔اور اگر نہیں بھی رکھتی تھی تو پچھلے کئی سالوں میں وہ لڑکی واحد انسان تھی جس کے ساتھ اس نے دوستی کی تھی۔اب تو ایک عرصہ ہو گیا حاتم بن خیام نے دوست بنانا چھوڑ دیئے تھے۔

سالوں بعد اگر دل نے آدم کی اس بیٹی کو دوست قرار دیا تھا تو وہ اسے کسی حال میں کھونا نہیں چاہتا تھا۔

چھ مہینے قبل، پہلی نظر میں دیکھے جانے پر اسے سبز آنکھوں والی لڑکی سے بے پناہ اجنبیت محسوس ہوئی تھی۔اور ان چھ مہینوں کے دوران اس سے اتنی مانوسیت ہو گئی کہ دل ہر صبح اس کے دیدار کا منتظر رہنے لگا۔اگر وہ چلی گئی تو صبح صادق کے بعد وہ درخت کے نیچے بیٹھ کر کس کا انتظار کیا کرے گا؟اس کے کان کس کے قدموں کی چاپ کو دور سے بھانپنے کی سعی کریں گے؟ندی کے کنارے وہ کس کے ساتھ چہل قدمی کرے گا؟اگر یہ لڑکی اپنے وطن واپس لوٹ گئی تو اس کی زندگی تو ایک

مرتبہ پھر ویران ہو جائے گی۔

"شاہی خادم تم سن رہے ہو نا میں کیا کہہ رہی ہوں؟" کسی نے اس کے کندھے کو جھنجھوڑ کے قدرے اونچی آواز میں کہا۔ وہ سبز آنکھوں والی لڑکی ہی تھی۔

"ہاں؟" حاتم یکدم اپنے خیالوں سے باہر نکلا اور غائب ذہن سے سامنے کھڑی لڑکی کو دیکھا۔

"تم مجھے نہیں سن رہے تھے؟ کیا میں اب تک ہواؤں سے باتیں کر رہی تھی؟" غصے اور جھنجھلاہٹ کی وجہ سے اس کا منور چہرہ سرخ ہونے لگا تھا۔

"تم کیا کہہ رہی تھیں؟" حاتم کا انداز معذرت خواہانہ تھا۔

"مجھے اب کچھ نہیں کہنا۔" کسان کی بیٹی نے خفگی سے کہا۔ اور پھر ڈھلان اترنے لگی۔

"ارے مگر بات تو سنو۔" وہ تیزی سے بھاگ کے اس کے پیچھے گیا۔

اب وہ اس کی طرف چہرہ کیے پیچھے کی طرف چلنے لگا۔ یوں کہ وہ الٹے قدموں ڈھلان اتر رہا تھا اور وہ سامنے دیکھتے ہوئے۔ کسان کی بیٹی کا غصہ تھا کہ ختم ہونے کا

نام ہی نہیں لے رہا تھا۔(نخرہ تو دیکھو۔خود کو شاید شہزادی ساشا سمجھ لیا ہے۔)حاتم نے نڈھال ہو کے سوچا۔

"گستاخی معاف شہزادی صاحبہ جو میں نے آپ کی بات دھیان سے نہیں سنی۔ کیا آپ اپنی بات دہرا کر مجھ ادنیٰ سے خادم کو آپ کی آواز سننے کا شرف بخشیں گی۔"

مگر اس کے قدموں میں کوئی سستی نہیں آئی۔حاتم کو تنقیدی نظروں سے گھور کے وہ سامنے کی طرف دیکھتی ہوئی تیزی سے ڈھلان اترتی رہی۔یہاں تک کے سیدھ میں دیکھ کر نہ چلنے کی وجہ سے حاتم کا پاؤں پھسلا اور وہ پیچھے کی طرف پلٹیاں کھاتا ڈھلان کے دہانے پر جا گرا۔کسان کی بیٹی کے قدم زنجیر ہوئے۔کچھ لمحے وہ بے یقینی سے اسے دیکھتی رہی اور پھر ایک بلند قہقہہ فضا میں گونجا۔

وہ ہلکے ہلکے قدم اٹھاتی اس تک آئی۔وہ اب بھی مسلسل ہنسے جا رہی تھی۔حاتم نے شکایت بھری نظروں سے اسے دیکھا۔کچھ دیر اسی طرح زمین پہ گرے حاتم کا تمسخر اڑانے کے بعد اس نے اپنا ہاتھ سامنے کیا۔وہ اسے پکڑ کے اٹھا۔

"اب آپ مجھے اپنے ارادوں سے آگاہی کا اعزاز بخشنا پسند کریں گی؟" اس نے تلملا کے کہا۔ نقلی شہزادی ایک مرتبہ پھر ہنسی۔

"اتنی منتیں کر رہے ہو تو بتا ہی دیتی ہوں۔ کیا یاد کرو گے کہ کس سخی سے پالا پڑا تھا تمہارا۔" اس نے اپنی ہنسی پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

وہ دونوں ندی کے کنارے چلنے لگے جب سبز آنکھوں والی لڑکی نے عام سے انداز میں کہا۔ "میں کہہ رہی تھی کہ میں ایک مہینے بعد واپس آجاؤں گی۔"

حاتم اپنی جگہ منجمد ہو گیا۔ وہ آگے بڑھتی گئی۔

"تم پر مجھے بالکل بھروسہ نہیں ہے۔ کیا معلوم میرے جانے کے بعد تم ان بیچارے یتیم بچوں تک دوا پہنچانا چھوڑ دو۔" وہ روانی سے کہتی جا رہی تھی اور وہ سانس روکے اسے سنتا گیا۔ "تمہارا نہر ان ڈوب رہا ہے، شاہی خادم۔ میں سارے نہر ان کو تو نہیں بچا سکتی مگر میں ان بچوں کو اس مہلک بیماری سے مرنے نہیں دوں گی۔" وہ اپنی میٹھی آواز میں کہہ رہی تھی اور حاتم کے اندر خوشی سے طوفان امڈ آیا تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات اس بچے جیسے ہو گئے تھے جسے اس کا کھویا ہوا

پسندیدہ کھلونا واپس مل گیا ہو۔

وہ واپس مڑی اور رخ حاتم کی جانب کیا۔ "کیا تم مجھ سے وعدہ کرتے ہو کہ میری غیر موجودگی میں بھی ان بچوں کا خیال رکھو گے؟" وہ مسکرا کے پوچھ رہی تھی۔ اسے اپنا سر خود بخود اثبات میں ہلتا محسوس ہوا۔

وہ دونوں ایک دوسرے کے آمنے سامنے کھڑے تھے۔ درمیان میں چند فٹ کا فاصلہ حائل تھا۔ ندی کے کنارے ہوا تیزی سے سرک رہی تھی۔ حاتم کے ہلکے بھورے رنگ کے بال ماتھے پہ بکھر گئے تھے۔ اس کی پتلی سفید شرٹ بھی ہوا کی وجہ سے جھول رہی تھی۔ سامنے کھڑی لڑکی کے لباس اور بالوں کا بھی یہی حال تھا۔ دونوں کی آنکھیں ایک دوسرے کی آنکھوں پہ مرکوز تھیں۔ ایسا نہیں تھا کہ پچھلے پانچ مہینوں میں وہ حاتم کو کبھی بری لگی تھی۔ مگر جتنی اچھی آج لگ رہی تھی اتنی اچھی آج سے پہلے کبھی نہیں لگی تھی۔

"لیلیٰ۔" اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے وہ بڑبڑائی تھی۔

حاتم نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

"میرا نام لیلیٰ بنتِ شہاب ہے۔ تمہارا نام کیا ہے، شاہی خادم؟" وہ مسکرا کے سوال کر رہی تھی۔

حاتم کے دل کی دھڑکن تیز ہوئی۔ اوہ مالک۔ یعنی وہ اب اس پہ اعتبار کرتی ہے؟

اجنبیت سے آشنائی۔ آشنائی سے مانوسیت۔ اور مانوسیت سے اعتبار کا سفر طے کرنے میں انہیں چھ مہینے لگے تھے۔ مگر بلآخر وہ اس مقام پہ پہنچ ہی گئے تھے۔

"قیس۔" درمیان کا فاصلہ عبور کر کے وہ اس کے قریب آیا۔ "قیس بن قاسم۔"

اگر وہ لیلیٰ تھی تو اسے مجنوں ہی ہونا تھا۔

لیلیٰ نے پتلیاں سکیڑ کے شاہی خادم کو دیکھا۔ نجانے کیوں حاتم کو اس کی نظروں سے چبھن محسوس ہوئی۔

وہ نظریں چرا گیا۔

کچھ لمحے وہ دونوں خاموشی سے کھڑے رہے۔ آسمان پہ پھڑپھڑاتے پرندے دونوں ساکت نفوس کو دیکھتے رہے۔

"تم کب روانہ ہو رہی ہو؟" حاتم نے خاموشی کو توڑا۔

"کوہستان کے لیے تو کچھ دنوں بعد روانہ ہوں گی مگر آج رات کو نہران سے چلی جاؤں گی۔" وہ ابھی بھی اسے مشکوک نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"کیوں؟" وہ ہنوز نظریں چرائے ہوئے تھا۔

"سمندر کنارے ایک گاؤں میں مجھے اپنے ماموں سے ملنا ہے۔ کوہستان روانہ ہونے والا قافلہ بھی اسی گاؤں سے جائے گا۔"

"یعنی تم کل نہیں آؤ گی؟" حاتم نے ہمت مجتمع کر کے اس کی طرف دیکھا۔

تھوڑی دیر قبل محسوس ہونے والی چبھن اب وہاں نہیں تھی۔

"نہیں۔"

www.novelsclubb.com

حاتم نے سمجھ کے سر ہلا دیا۔ مگر اس کا دل بجھ سا گیا۔ کیا یہ ان کی الوداعی ملاقات تھی؟

"اپنے لوگوں کا خیال رکھنا قیس بن قاسم۔" لیلیٰ نے سنجیدہ تاثرات چہرے پہ سجائے اسے تلقین کی۔

وہ اداسی سے مسکرایا۔ایک مسافر لڑکی جو کہ اس کے وطن کی بھی نہیں تھی، وہاں کے لوگوں کے لیے اتنی فکر مند تھی۔اور غابانیہ کے اپنے امراءاور شاہی عہدداراسے پچھلی ایک دہائی سے دیمک کی طرح چاٹ رہے تھے۔

"تم بھی اپنا خیال رکھنا لیلیٰ بنتِ شہاب۔" مسکرانے کی سعی کرنے کے باوجود وہ مسکرا نہیں پایا۔اس کا دل ابھی سے بے حد اداس ہو گیا تھا۔ایک مہینہ اس کے بغیر کیسے گزرے گا؟

"اگر زندگی رہی تو تم سے دوبارہ ملاقات ضرور ہو گی قیس۔" وہ پورے دل سے مسکرائی۔

"میں اس دن کا انتظار کروں گا۔" سبز آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اس نے بظاہر مسکرا کے کہا۔

اور یہ آخری دفعہ تھا جب حاتم بن خیام کی سنہری آنکھوں نے لیلیٰ بنتِ شہاب کی سبز آنکھوں کا دیدار کیا تھا۔کیونکہ زندگی رہے یا نہ رہے، یہ یقینی تو نہیں ہوتا۔ موت آنے سے پہلے دستک دے کے آگاہ کر دے، ایسا ضروری تو نہیں ہوتا۔ہم

اپنے منتظر لوگوں سے دوبارہ مل سکیں،ایسا ہمیشہ تو نہیں ہوتا۔

اس کے بعد وہ ایک لمحہ بھی وہاں نہیں رکی اور واپس پلٹ گئی۔اپنے کوہستان روانہ ہونے کے لیے۔حاتم نے پیچھے سے ہاتھ جھلا کے اسے الوداع کرنا چاہا مگر زبان سے الفاظ نہیں نکلے۔وہ وہیں کھڑا اسے تب تک دیکھتا رہا جب تک کہ وہ نظر سے اوجھل نہیں ہو گئی۔

آبادی کی طرف جاتی پتلی سی گلی میں وہ غائب ہو گئی تو وہ سست روی سے واپس درخت کے پاس آیا اور اپنا تھیلا اٹھایا۔

اس کی گھوڑی بھی اس کی تابعداری کرتی اس کے پاس آئی۔حاتم نے مسکرا کے اس کی پشت پہ ہاتھ پھیرا اور پھر سامنے آ کے اس کے سر سے اپنا ماتھا ٹیکا۔"کچھ لوگ اتنے اچھے کیوں لگتے ہیں بیاض کہ دل صرف انہیں کا ہو کر رہنا چاہتا ہے۔"

(بیاض عربی زبان میں سفیدی کو کہتے ہیں۔)

بیاض خاموشی سے اپنے مالک کو دیکھے گئی۔دفعتاً درخت کا ایک پتہ بیاض کے سر پہ آ کے گرا تو حاتم نے اسے اٹھا کر دیکھا۔اس کا آدھا حصہ بھورا سنہری ہو چکا تھا

جب کہ آدھا ابھی ابھی ہرا تھا۔ حاتم نے سر اٹھا کے اوپر درخت کی طرف دیکھا۔ اکثر پتے سنہری دکھائی دیتے تھے۔ خزاں کا موسم شروع ہو چکا تھا۔ حاتم کھل کر مسکرایا۔ خزاں اس کا پسندیدہ موسم تھا۔ لوگ کہتے تھے، خزاں زوال کا موسم ہے۔ ناامیدی ہے۔ مگر حاتم کو خزاں ہمیشہ سب سے زیادہ دلچسپ موسم لگتا تھا۔ اس کی نظر میں خزاں مایوسی کا موسم نہیں تھا، امید کی طرف گامزن راستے پر پہلا قدم تھا۔ پرانے پتّے جھڑیں گے نہیں تو نئے کیسے کھلیں گے!

گھوڑی پہ سوار ہو کر سلطان کے محل کی طرف جاتے ہوئے حاتم بن خیام اس بات سے ناواقف تھا کہ ایک خزاں اس کی زندگی پر بھی چھانے والی ہے۔ وہ اس بات سے بے خبر تھا کہ مستقبل قریب میں اس کا دل اس خزاں کے منفی اثرات کے زیرِ اثر آنے والا ہے۔ وہ اس بات سے قطعی لاعلم تھا کہ لیلیٰ بنتِ شہاب سے محبت کے بعد اس کے ویران دل میں کھلنے والا گلستان جلد ہی اجڑنے والا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کوہستان کے شہر قلبلار میں رات گزر چکی تو آسمان پہ صبح کاذب کی ہلکی ہلکی روشنی

چھانے لگی۔وائل مسجد کی چھت پہ مینار سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ایک درمیانی سائز کا باز اس کے کندھے پر پنجے گاڑھے اٹکا تھا۔کچھ دیر بعد مسجد کے مؤذن صاحب زینے چڑھ کے اوپر آئے۔اس پہ ایک تنقید بھری نظر ڈالنے کے بعد، مینار میں بنی بالکونی میں کھڑے ہو کر بابلند آواز میں اذان دینے لگے۔

"اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے۔"

"اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے۔"

"میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔"

"میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔"

"میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔"

"میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔"

"آؤ نماز کی طرف۔"

"آؤ نماز کی طرف۔"

"آؤ کامیابی کی طرف۔"

"آؤ کامیابی کی طرف۔"

"اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے۔"

"اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔"

وہ اذان ختم کر چکے تو نیچے جا کر جماعت کا اہتمام کرنے لگے۔ باز بھی آسمان میں اڑ گیا۔ وائل وہیں اکڑوں بیٹھا رہا۔ کچھ لمحے مزید گزرے تھے جب اسے وہ احساس ہوا۔ وہ بے نام سا احساس جو اس کی آمد سے پہلے ہو جاتا تھا۔

وہ جلدی سے اٹھا اور مینار کی دوسری طرف بنی بالکونی سے نیچے جھانک کر دیکھا۔ ہلکے سبز رنگ کا لمبا لباس زیب تن کیے وہ مسجد کے پچھلے دروازے سے اندر داخل ہو رہی تھی۔ اس کا سفید حجاب ہوا کی وجہ سے پھڑ پھڑا رہا تھا۔ وہ مسجد آئی ایک دوسری خاتون کے ساتھ کوئی بات کر رہی تھی۔ اس کی طرف متوجہ نہیں تھی۔ وہ مدھم سا مسکرایا۔ پھر چہرے کے تاثرات سنجیدہ کیے اور واپس اپنی جگہ آ کے بیٹھ گیا۔

جماعت ختم ہو گئی تو وہ زینے اتر کر نیچے آ گیا۔ وہ تیز قدموں سے چلتا مسجد کے

صحن سے باہر نکل کر ایک پتلی سی گلی میں داخل ہوا تھا جب وہ احساس پھر سے ہونے لگا۔ وہی احساس جو اس کی موجودگی میں ہوتا تھا۔

"وائل۔"

اس نے پلٹ کر دیکھا تو امیرہ اس کے پیچھے کھڑی تھی۔ فجر ادا کرنے کا بعد اس کا پُرنور چہرہ مزید دمک رہا تھا۔

وہ چل کر قریب آئی۔ "مجھے تم سے بات کرنی ہے۔"

"کہو۔" وہ پاس پہنچ گئی تو اس نے ایک مرتبہ پھر تیز تیز قدم اٹھانا شروع کر دیئے۔ وہ کنکھیوں سے دیکھ سکتا تھا وہ اپنے قدم اس کی تیز رفتار سے ملانے کی کوشش کر رہی ہے۔

www.novelsclubb.com

"تم نے آج بھی نماز ادا نہیں کی؟"

اس کے سوال پہ وہ یکدم ٹھہر گیا۔ کافی ہفتوں بعد امیرہ کا یہ سوال سننے کو ملا تھا۔

اس نے سینے پہ ہاتھ باندھ کے امیرہ کی گہری سنہری آنکھوں میں جھانکا۔ "جب جواب تمہیں معلوم ہے تو سوال کیوں کر رہی ہو؟"

"اس امید پر کہ شاید میرا اندازہ غلط ثابت ہو جائے۔" اس کی سنہری آنکھیں پُر امید تھیں۔

"امیرہ جب تم نے پہلی مرتبہ مجھ سے پوچھا تھا کہ میں نماز کیوں نہیں پڑھتا تو میں نے کیا کہا تھا؟"

یہی کہ تم صراط مستقیم پر چل نہیں رہے تو زبان سے یہ الفاظ ادا کرنے کے مستحق بھی نہیں ہو۔"

"میں آج بھی سیدھے راستے پہ نہیں چل رہا، امیرہ۔" اس کی آواز کسی بھی قسم کے تاثر سے خالی تھی۔ "اور میں آج بھی اپنے مؤقف پہ قائم ہوں۔ اس لیے میرا نہیں خیال اس گفتگو کا کوئی جواز بنتا ہے۔"

www.novelsclubb.com

امیرہ نے اداسی سے نفی میں سر ہلایا۔ "یہاں تم غلط ہو وائل۔ جب تک اللہ سے ہدایت طلب نہیں کرو گے وہ تمہیں ہدایت نہیں دے گا۔" اس نے توقف کر کے تاسف سے وائل کو دیکھا۔ "ہدایت ملتی ہے دعا سے۔ اور بہترین دعا وہ ہوتی ہے جو نماز کے بعد مانگی جائے۔ تم ایک مرتبہ دعا مانگ کر تو دیکھو...."

وہ صبح سویرے امیرہ سے یہ بے تکی بحس کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا۔اس نے اس کی بات کاٹ دی۔"تم کیا میرے پیچھے تبلیغ کرنے آئی تھیں؟"

اس نے ہارمان کے گہری سانس لی۔"تمہیں کچھ دکھانا ہے۔میں رات کو تمہارا انتظار کرتی رہی مگر تم گھر نہیں آئے۔"

"میرا انتظار کیوں کیا؟"اس کا دائیاں ابرو اٹھا۔

"میں نے تصویر مکمل کرلی ہے وائل۔"اس نے بجھے ہوئے دل سے کہا۔

وائل کے لیے یہ خوشی کی بات تھی۔مگر وہ خوش نہیں تھی۔وہ خوش ہو بھی نہیں سکتی تھی۔

وائل نے ہاتھ سے چلنے کا اشارہ کیا تو وہ اسی بے دلی کے ساتھ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھانے لگی۔اس مرتبہ وائل نے بھی اپنی شناختی تیز چال سے اجتناب کیا۔وہ دونوں چند گلیوں سے گزرنے کے بعد آزاد منزل کے داخلی گیٹ کے باہر پہنچے۔

وائل نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا۔صحن میں بنے فوارے سے پانی کی تیز دھار لکیریں آسمان کی طرف اچھل کر واپس گول احاطے میں گر رہی تھیں۔گھر میں

مکمل خاموشی چھائی تھی۔یقیناً کچھ باز یگرا بھی تک سو رہے تھے اور کچھ فجر ادا کرنے کے بعد اپنے اپنے کام کے لیے نکل گئے تھے۔

وہ دونوں بائیں طرف موجود بیرونی زینے چڑھ کر دوسری منزل پر بنے کتب خانے میں گئے جہاں امیرہ نے اسے تصویر دکھائی۔

"شاندار۔" وائل کی آنکھوں میں ستائشی تاثرات نمایاں ہوئے۔البتہ امیرہ کا چہرہ کافی بجھا سا لگ رہا تھا۔"تمہیں خود پر فخر ہونا چاہیے امیرہ۔ایسی بہترین تصویریں بنانے کا فن ہر کسی کے پاس نہیں ہوتا۔"

"فخر محسوس کرتی اگر یہ میں نے کسی اچھے کام کی نیت سے بنائی ہوتی۔نہ کہ اصلی شاہکار کو اس نقلی تصویر سے بدل کر چرانے کے ارادے سے۔" امیرہ سامنے خلا میں دیکھ رہی تھی۔آنکھوں میں افسوس اور پچھتاوا تھا۔"چھ ماہ پہلے تک میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وقت قریب میں، میں ایک پیشہ ور مجرم بن جاؤں گی۔"

"میں پورے وثوق کہ ساتھ کہہ سکتا ہوں قلبلار میں ہونے والی مشکوک

سرگرمیوں سے قائرہ کے لوگ لاعلم نہیں ہوں گے۔" وائل سنجیدگی سے بولا۔

"اس شہر کی قیمت ضمیر کا سودا ہے امیرہ۔ تمہیں یہ بات مدِ نظر رکھ کے قلبلار آنا چاہیے تھا۔"

"میں جانتی تھی یہاں زندگی مشکلات میں گزرے گی۔"

"پھر بھی تم یہاں آئیں؟"

"کیونکہ مجھے اپنے ایمان پر مان تھا۔" وہ اداسی سے مسکرائی۔

"اب نہیں ہے؟"

"ہونا چاہیے کیا؟"

"تمہارا ایمان ہے۔ مجھے کیا۔" وائل نے بے نیازی سے کندھے اچکا دیئے۔

"میں غزال جا رہا ہوں۔ ایک گھنٹے تک مجھے وہاں آ کر ملو۔" یہ کہہ کر وہ دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

"مگر کیوں؟" امیرہ نے پیچھے سے پکارا۔

وائل نے واپس پلٹ کر تصویر کی طرف دیکھا۔ "تمہارے یہ شاہکار تیار کرنے

سے بھی پہلے اسے عجائب گھر کی شان بنانے کا جو منصوبہ میں نے ترتیب دیا تھا اس کی تفصیلات بتانی ہیں تم سب کو۔"

امیرہ کی سنہری آنکھوں میں سختی اتری۔"یہ کہو کہ عجائب گھر کی شان اصلی لافانی ققنوس (فینکس) کو اس نقلی ردی کے پلندے سے...."

"چچ چچ، بری بات۔"وائل نے لہجے کو مایوس زدہ بنایا۔"تم پھر سے اپنے ہنر کی ناقدری کر رہی ہو جانِ تمنا۔"آخری دو الفاظ ادا کرتے ہوئے وہ جانتا تھا کہ وہ چڑے گی۔جانِ تمنا بلائے جانے پر اسے غصہ آتا تھا۔

"میں نے کتنی مرتبہ کہا ہے، یہ مت بلایا کرو مجھے۔"گہری سنہری آنکھوں میں مزید سختی ابھری۔

www.novelsclubb.com

"کیا؟ جانِ تمنا؟"اس نے اپنے ابدی سنجیدہ تاثرات کے ساتھ پوچھا۔

وہ ایک برہم نظر اس پر ڈال کر کتب خانے سے باہر نکل کر اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی تو وہ ہلکا سا مسکرایا۔اچانک اسے کھنکھارنے کی آواز آئی تو اس نے چہرے کے تاثرات دوبارہ سنجیدہ کرتے ہوئے مڑ کر پیچھے دیکھا۔کتب خانے کو ساتھ والے

کمرے سے جوڑتے دروازے کی اوٹ میں سے حرم اندر جھانک رہا تھا۔ وہ کہنیوں تک مڑے آستین والی سفید شرٹ کے اوپر آسمانی رنگ کی بنا آستین والی جیکٹ پہنے ہوئے تھا۔ بھورے بال ماتھے پر چار پانچ گھنی لٹوں کی صورت گر رہے تھے۔ وہ سیاہ آنکھوں میں شرارت لیے، نہایت ہی منحوس مسکراہٹ چہرے پہ سجائے وائل کو گھور رہا تھا۔ انگلی اور انگوٹھے کا سکہ بنا کے اس نے جیسے وائل کو داد دی۔

"جاسوسی کے علاوہ بھی کچھ کر لیا کرو۔" اس کا لہجہ قدرے برہم تھا۔ حرم بنا کوئی اثر لیے اسی طرح مسکراتا رہا۔ "اور تم بھی ایک گھنٹے تک غزال پہنچو۔" اسے حکم صادر کرتا وہ دروازے سے باہر نکل گیا۔

"جاسوسی کرنا ہی میری مہارت ہے سیٹھ۔" حرم پیچھے سے اونچی آواز میں بولا تھا۔

وہ زینے اتر کر نیچے بنے اپنے کمرے میں آیا۔ دروازہ بند کر کے لکڑی کے میز کے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھا اور کام سے متعلق چند دستاویزات تول مٹول کر دیکھے۔ کچھ دیر ان کا جائزہ لینے کے بعد وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ سٹینڈ پہ لٹکتا سیاہ رنگ کا لمبا

کوٹ اور ہم رنگ ہیٹ اٹھانے کے بعد آزاد منزل سے باہر نکل آیا۔ شکار کیے ہوئے بہت دن گزر گئے تھے۔ بازار میں کسی خریدار کو نشانہ بنانے کی سوچ پر ہی ہاتھ خوشی سے مچلنے لگے تھے۔ بازار میں طرح طرح کے لوگ موجود تھے۔ اس نے ایک طویل نظر سب پہ دوڑائی اور پھر ایک خریدار کے لمبے کوٹ کی ابھری ہوئی جیب پہ نظر پڑی تو اس کا نچلا لب فاتحانہ مسکراہٹ میں ڈھلا۔ اس نے اپنے شکار کی نشاندہی کر لی تھی۔

گھٹنوں تک آتے کوٹ پینٹ میں ملبوس آدمی حرم کے ٹھیلے کے پاس کھڑا کچھ پھول پرکھ کر دیکھ رہا تھا۔ وائل بھی قریب گیا اور ایک سیاہ گلاب اٹھا کر سونگھا۔ حرم نے آنکھیں چھوٹی کر کے پہلے تو اسے مشکوک نظروں سے دیکھا پھر اپنے دوسرے گاہک کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وائل کی طرف سے، بازار کی حدود میں حرم کو اس سے کسی بھی قسم کا تعلق ظاہر کرنے کی اجازت نہیں تھی۔

"آپ مجھے بتائیں آپ کو پھول کس لیے چاہئیں؟" حرم نے خوش مزاج انداز میں لمبے کوٹ والے مرد سے پوچھا۔

وہ اپنے ہر گاہک سے پھول خریدنے کی وجہ لازمی پوچھا کرتا تھا۔

"میری بیوی مجھ سے ناراض ہے۔" آدمی ذرا جھجکا۔ "مگر مجھے سمجھ نہیں آرہا کہ میں اسے راضی کیسے کروں۔"

"اوہو۔ بیوی کو ناراض کر دیا آپ نے۔" حرم نے افسوس سے گردن دائیں بائیں ہلائی۔ "مگر بے فکر رہیں۔ میرے پاس ہر جذبے کے اظہار کے لیے پھول موجود ہیں۔" اس نے چند مختلف قسم کے پھول پرکھ کر دیکھے۔ پھر جامنی رنگ کے پھولوں کو اٹھا کر ان کا ایک موٹا سا گلدستہ بنانے لگا۔ "یہ جامنی سنبل کے پھول ہیں۔ انہیں معافی طلب کرنے اور کسی غلطی پر نادم ہونے کے عمل سے منسوب کیا جاتا ہے۔" پھر اس نے اسی طرز کے چند نیلے پھول اٹھائے اور انہیں گلدستے کے بیچ مختلف حصوں میں لگایا۔ "نیلے سنبل کے پھول خلوص اور مستقل مزاجی کی علامت ہیں۔ یعنی یہ گلدستہ اپنی بیوی کو دے کر آپ نہ صرف اپنی غلطی پر پچھتاوے کا اظہار کر کے معذرت خواہ ہوں گے بلکہ بالواسطہ طور پر آئندہ اپنی غلطی نہ دہرانے کا سچا وعدہ بھی کریں گے۔" اپنی بات کے آخر میں اس نے مسکرا

کے گلدستہ آدمی کو پیش کیا۔

مگر اس سے پہلے وہ اسے پکڑتا دوسری طرف سے دو بچے بھاگتے ہوئے آئے اور اس آدمی سے ٹکرائے۔اور یہی وہ لمحہ تھا جس میں اس آدمی کی ساری توجہ ان بچوں کی طرف ہو گئی۔آدمی ان بچوں کو ڈانٹنے لگا۔وائل بظاہر پھول پرکھتے ہوئے آدمی کے قریب ہوا۔

حرم نے بنا آواز کے ہونٹ ہلائے۔"پکڑے جاؤ گے۔"

مگر اس نے اسے نظر انداز کر کے بڑی مہارت سے دو انگلیاں آدمی کے کوٹ کی جیب میں ڈالیں۔جب بٹوے پہ گرفت مضبوط ہوئی تو ہاتھ باہر کھینچ لیا۔پھر تیزی سے اپنی جیب میں سے ایک اور پھولا ہوا بٹوہ نکال کر آدمی کی جیب میں کھسکا دیا۔ چرایا ہوا بٹوا اپنے کوٹ کی اندونی جیب میں ڈالنے کے بعد انگلیوں کی وی بنا کے حرم کو دکھائی۔حرم نے دونوں ہاتھ اٹھا کے جیسے اسے داد دی۔

آدمی ابھی تک بچوں کو ڈانٹ رہا تھا۔وہ دونوں بچے اس سے بچ کر دوسری طرف بھاگ گئے تو وہ حرم کی طرف واپس متوجہ ہوا۔حرم نے گلدستہ اسے تھمایا تو آدمی

نے اپنے جیب سے بٹوا نکالا۔ مگر اگلے ہی لمحے وہ چونکا۔

"یہ میرا بٹوا نہیں ہے۔" اس نے بے ساختہ اپنی پیشانی کو چھوا۔ پھر بٹوا کھول کر دیکھا تو اندر سے ڈھیر سارے کاغذ نکلے۔ وہ اپنا سر پکڑ کر جیسے یاد کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس کا بٹوا چوری کب ہو گیا۔

"آپ کو خبردار رہنا چاہیے تھا۔ قلبلار میں گلی نکڑ میں ہونے والے جرائم کی شرح کافی سنگین ہے۔" وائل نے ہمدردی سے آدمی کا کندھا تھپکا۔

"میں یہاں نیا آیا ہوں۔ مجھے نہیں تھا معلوم یہاں یہ سب بھی ہوتا ہو گا۔" آدمی نے روتی شکل کے ساتھ جیسے شکایت کی۔

یہ وائل بھی جانتا تھا وہ قلبلار کا رہائشی نہیں ہے۔ اسی لیے تو اس نے اسے اپنا ہدف بنایا تھا۔ اگر وہ آدمی قلبلار کا شہری ہوتا تو پیسوں سے بھرا بٹوا یوں جیب میں لے کر گھومنے کی حماقت قطعاً نہیں کرتا۔

"آپ کے پیسوں کی ادائیگی میں کر دیتا ہوں۔" اس نے اپنی جیب سے ایک نوٹ نکال کر حرم کو پکڑایا جو اس نے خاموشی سے پکڑ لیا۔ البتہ آنکھوں ہی

آنکھوں میں وہ وائل کو کافی القابات سے نواز رہا تھا۔

"اللہ تمہیں آباد رکھے۔" آدمی نے تشکر بھری آواز میں اسے دعا دی۔

"لاحول ولا قوۃ۔" حرم کے لب دوبارہ بنا آواز کے ہلے۔

وائل نے آدمی کی طرف دیکھتے ہوئے سر کو خم دیا اور ٹھیلے سے دور ہٹ گیا۔

اطراف کا جائزہ لیتے، ہوئے وہ بڑے آرام سے بازار سے نکلا اور غزال کا رخ کر لیا۔

وہ بازار کی حدود سے نکل آیا تو بٹوا جیب سے باہر نکال کر اس میں سے پیسے نکالے اور اسے ایک کوڑ کباڑ کے ڈبے میں پھینک دیا۔ پیسے واپس کوٹ کی جیب میں ڈالتے ہوئے نظر گلی کے دھانے پہ پڑی تو قدم لمحے بھر کو تھمے۔ امیرہ سامنے کھڑی تاسف سے اسے دیکھ رہی تھی۔

www.novelsclubb.com

"آج میں نے کچھ نہیں چرایا۔" اس کے قریب پہنچ کر عام سے انداز میں کندھے اچکا کر کہا۔

امیرہ نے اس کے پیچھے کوڑ کباڑ کے ڈبے کو غور سے دیکھا۔ "جیسے میں تو تمہیں جانتی ہی نہیں ناوائل۔"

"تم مجھے سب سے کم وقت سے جانتی ہو۔"

"مگر پھر بھی بہت اچھے سے جانتی ہوں۔"اس نے پورے اعتماد سے کہا۔

وائل کو لے کر اسے اپنے اندازوں پر ہمیشہ ہی بہت اعتماد ہوتا تھا۔

"ایسا صرف تمہیں لگتا ہے۔"

"کیا غلط لگتا ہے؟"

"اب یہ بتا کر میں تمہاری خود اعتمادی کو ہوا نہیں دوں گا۔"اس نے اپنی ہیٹ درست کرتے ہوئے کہا۔"تم کہیں جا رہی ہو؟"

"ہاں، مدرسے۔"

"مگر آج تو چھٹی کا دن ہے۔"

"مجھے استاد صاحب سے کچھ ضروری کام ہے۔"اس نے وائل کی آنکھوں میں جھانکا۔

وائل اس نگاہ کو پہچانتا تھا۔وہ اس سے کچھ کہنا چاہتی تھی۔کچھ ایسا جو کہنے میں جھجک رہی تھی۔یا کچھ ایسا جس کا اسے ڈر تھا کہ وہ ماننے سے انکار کر دے گا۔وہ چند

لمحے اس کے بولنے کا منتظر رہا۔ بلا آخر پہل اسے ہی کرنی پڑی۔

"کہو۔"

"کیا؟" یہ احساس ہونے پر کہ وہ کتنی دیر سے لاشعوری طور پر اسے گھور رہی تھی امیرہ نے فوراً نظریں چرائیں۔

"وہی جو تم کہنا چاہتی ہو۔" وہ اس کی آنکھوں سے نظریں ہٹائے بغیر بولا۔

وہ ذرا الجھن کا شکار ہوئی۔ "تمہارے گال پر کچھ لگا ہوا ہے۔" جلد بازی میں کہتی بازار کی طرف چلی گئی۔

وائل آنکھیں چھوٹی کیے اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ کوئی بات تو تھی جو وہ اس سے کہنا چاہتی تھی، مگر کہنے کی ہمت نہیں کر پا رہی تھی۔

اس نے ایک گہرا سانس لیا اور غزال آ گیا۔ صبح سویرے کافی لوگ وہاں ناشتہ کرنے جمع تھے۔ وہ اندر آیا اور ایک مخصوص میز کے گرد بچھی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ گیا۔

میز پہ پڑا اخبار اٹھا کے پہلے صفحے پر سرسری سی نظر دوڑائی۔ وہی پرانی خبریں۔

اس کے مطلب کا وہاں کچھ نہیں تھا۔ وہ اخبار بند کر کے رکھنے لگا تھا، جب ایک سرخی پہ نظریں ٹھہر گئیں۔ (رمالیہ کی ریاست، رُخارا کی شہزادی ساشابنتِ عزیز خالد کی جلاوطنی ختم ہونے میں چالیس دن باقی۔)

"بدلحاظ شہزادی بلآخر اپنے ملک واپس لوٹ رہی ہے۔" منہ میں بڑبڑایا۔

"صبح صبح کس خوش نصیب کے لیے تمہارے منہ سے پھول جھڑ رہے ہیں وائل؟"

اس نے سر اٹھا کے دیکھا۔ لکڑی کی ٹرے دونوں ہاتھوں میں لیے، بھوری آنکھوں اور بے حد گہرے سیاہ گھنگریالے بالوں والی حریم سامنے کھڑی تھی۔ وہ فیروزی رنگ کے لمبے فراک نما لباس کے ساتھ سفید رنگ کی چھوٹی سی جیکٹ میں ملبوس تھی۔ بال کس کر اونچی پونی میں بندھے تھے۔ جب وہ چلتی تھی تو وہ قمر پر جھولا کرتے تھے۔

وہ ساتھ والی کرسی کھینچ کر وائل کے برابر میں بیٹھی۔ ٹرے میں سے ایک پیالی اٹھا کر اس نے وائل کی طرف کھسکائی۔

وائل نے اس کے طنزیہ سوال کا کوئی جواب نہیں دیا۔ جیب گھڑی نکال کر وقت دیکھا تو آٹھ بجنے میں ابھی چند لمحے باقی تھے۔ اس نے حرم اور امیرہ کو ساڑھے آٹھ بجے کا وقت دیا تھا۔ ان کے آنے میں ابھی کافی دیر تھا۔

وہ چائے پینے لگا۔ البتہ ذہن بار بار امیرہ کی اَن کہی بات کی طرف ہی جا رہا تھا۔ ایسی کیا بات تھی جو کہنے میں اسے ہمت مجتمع کرنی پڑ رہی تھی۔ امیرہ تو ہر بات نہایت ہی مہذب طریقے سے منہ پہ کر دیا کرتی تھی پھر آج وہ اتنا جھجک کیوں رہی تھی؟

تھوڑی دیر بعد فیض اور حرم بھی ناشتے کے لیے ان دونوں کے ساتھ آ بیٹھے۔ ان کا معمول کا ناشتہ، حریم کے ہاتھوں سے بنے انڈے پراٹھے، حرم جن کی تعریف کرتے نہیں تھکتا تھا۔

"فیض پھر تم واقعی غابانیہ جا رہے ہو، دوست؟" حرم نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے وہی سوال پوچھا جو پچھلے ایک ہفتے میں وہ کوئی بیس مرتبہ پوچھ چکا تھا۔

"فیض تم نا اسے ایک پرچے پر لکھ کر دے دو یہ بات۔ تب جا کر کہیں اس

گدھے کو یقین آئے گا کہ تم واقعی جا رہے ہو۔" حریم نے تلخی سے طنز کیا۔ وہ اب اس سوال سے چڑ چکی تھی۔

"میں تو کہتا ہوں ایک مرتبہ پھر سوچ لو، فیض۔" حرم نے فکر مندی سے کہا۔

"اگر تمہارے گاؤں کے لوگوں نے تمہارے اس طرح واپس لوٹنے پر تمہیں ایک مرتبہ پھر سے قتل کرنے کی کوشش کی تو؟" اس نے پیالی منہ سے لگائی۔

"تو ہم اس کے گاؤں کو ان ظالم لوگوں سمیت آگ لگا دیں گے۔" حریم نے بڑی سہولت سے کہا۔

"لاحول ولا قوۃ۔" حرم نے بدمزہ ہو کر پیالی منہ سے الگ کی اور حریم کو کٹھن نظروں سے گھورا۔ "تم پر وائل کی صحبت کا کچھ زیادہ ہی اثر ہو گیا۔ ہر وقت مرنے مرانے کی باتیں ہی کرتی رہتی ہو۔"

"ظاہر ہے، سالوں کا ساتھ ہے ہمارا۔ اثر تو ہو گا نا۔" حریم ہنس کر بولی۔ "ویسے تم فیض سے غلط سوال پوچھ رہے ہو۔ تم تصویر کا دوسرا رُخ نہیں دیکھ رہے۔" استہزاء سے مسکرا کر اس نے چائے کی پیالی منہ سے لگائی۔

"کیا؟" حرم چونکا۔

فیض بھی استفہام سے اسے دیکھنے لگا۔وائل نے بھی ساری توجہ اس کی طرف مرکوز کی۔

"یہی کہ اگر فیض کے لوگوں نے اسے قبول کر لیا تو پھر وہ کیا کرے گا۔" حریم نے چنوتی دینے والے انداز میں کہا۔

اب وہ تینوں فیض کو دیکھ رہے تھے۔اس کی گردن میں ایک گلٹی سی ابھر کے معدوم ہوئی۔

اس نے کھنکار کے گلا صاف کیا۔"اگر ایسا ہوا تو...."

ہاتھ میں پکڑی پیالی پر وائل کی گرفت مضبوط ہوئی۔وہ جانتا تھا وہ کیا کہنے جا رہا ہے۔اس سے پہلے وہ اپنی بات کہتا وائل نے اس کے ارادوں کو مسلنا ضروری سمجھا۔

"مجھے دھوکا دینے کے بارے میں سوچنا بھی مت فیض بن غفار۔" اس نے ایک ایک لفظ پر زور دیا۔حریم فاتحانہ مسکرائی جبکہ فیض اور حرم نظریں اس پر مرکوز

کیے اسے سننے لگے۔"اگر میں تمہیں تمہاری جان لینے سے روک سکتا ہوں، تو خود اپنے ہاتھوں سے تمہاری جان لے بھی سکتا ہوں۔"بھاری آواز میں تنبیہ کی۔

"اگر تمہارے گاؤں کے لوگوں نے تمہیں کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو انہیں اس کی قیمت چکانی پڑے گی۔یہ میرا وعدہ ہے، خود سے۔لیکن اگر تم غابانیہ سے واپس نہ لوٹے۔یا اگلے دو سال تک مجھے چھوڑ کر اپنے گاؤں واپس منتقل ہونے کے بارے میں سوچا بھی تو تمہیں اس کی قیمت چکانی پڑے گی۔یہ میرا وعدہ ہے، تم سے۔اور تم جانتے ہو میں وہ وعدے نہیں کرتا جو نبھا نہ سکوں۔"

فیض نے بجھے ہوئے دل سے منہ موڑ لیا۔مگر وائل اسے جو سمجھانا چاہتا تھا، وہ سمجھ گیا تھا۔اگر فیض کے گاؤں کے لوگوں نے کچھ الٹا سیدھا کیا تو وہ ان سب کو جان سے مار ڈالے گا لیکن اگر فیض نے وائل کو دھوکا دیا تو وہ اس کی جان لینے میں بھی دیر نہیں لگائے گا۔اور وہ ایسا کرنے کا بخوبی اہل ہے، یہ بات اس کے گروہ کے لوگوں سمیت آدھا قلبلار جانتا تھا۔

فیض، وائل کا تُرپ کا پتہ تھا۔اور اپنے اس قیمتی اثاثے کو وہ اتنی جلدی کھونا نہیں

چاہتا تھا۔

"کیا ضرورت تھی ایسی بات کرنے کی؟" حرم نے سرگوشی کر کے حریم کو جھڑکا۔

"میں تو بس فیض کو وائل کے قہر سے بچانے کی کوشش کر رہی تھی۔"

"آئیں تم بڑی رحم دل۔" حرم سختی سے بڑبڑایا۔

حریم نے آنکھیں پھیر لیں۔

وائل نے دوبارہ گھڑی جیب سے نکال کر وقت دیکھا۔ ساڑھے آٹھ بجنے میں صرف دس پل بچے تھے۔ وقت پانچ پل مزید آگے بڑھا تو اس نے نظریں دروازے کی طرف جمائے، ذہن میں الٹی گنتی گننا شروع کر دی۔

پانچ.... چار.... تین.... دو.... ایک....

امیرہ دروازے سے آتی دکھائی دی تو وائل اپنی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ ان تینوں کو بھی ساتھ چلنے کا اشارہ کیا۔ وہ پانچوں باورچی خانے میں بنا ایک دروازہ کے پاس آئے۔ وائل نے اپنی جیب گھڑی کی زنجیر میں لگی چابی سے تالا کھولا تو وہ سب

نیچے جاتے زینے سے ہو کر تہہ خانے میں آئے۔وائل نے رسی کھینچ کر چراغ جلایا تو مدھم سی روشنی سارے میں پھیل گئی۔ایک مستطیل شکل کے لکڑی کے میز کے گرد تیرہ کرسیاں بچھیں تھیں۔وائل سربراہی کرسی پر بیٹھا تو وہ چاروں بھی اپنی اپنی کرسیاں کھینچ کر بیٹھ گئے۔میز پہ ایک نقشہ کھلا پڑا تھا۔ان سب نے اسے غور سے دیکھا۔وہ عجائب گھر کا نقشہ تھا۔

"ایک مہینہ پہلے مجھے عجائب گھر سے لافانی فقنوس چرانے کا کام دیا گیا تھا۔

"وائل نے اپنی بے تاثر، تیز آواز میں کہنا شروع کیا، تو وہ چاروں اسے غور سے سننے لگے۔"کام کی پیچیدگی کی نسبت کافی بڑی رقم پیش کی گئی کہ میں انکار نہیں کر سکا۔

"

www.novelsclubb.com

"کتنی رقم؟"حریم کی آنکھیں چمکیں۔

وائل نے اسے تیز نظروں سے گھورا۔اس نے بنا آواز کے "معذرت" کہتے ہوئے دونوں ہاتھ اٹھا دیئے۔

"اور ایک اچھا چور وہ ہوتا ہے جس کی چوری فوری طور پر پکڑی نہ جائے۔اس

لیے اگلے دن میں امیرہ کو عجائب گھر لے کر گیا۔اس نے اپنی غیر معمولی طور پر مضبوط یادداشت کے تحفے کی مدد سے تصویر کی ایک ایک تفصیل کو ذہن نشین کر لیا۔ پچھلے ایک مہینے سے امیرہ اسی پر کام کر رہی تھی۔"

"تم کتب خانے میں رات کو یہ ضروری کام کر رہی ہوتی تھیں؟"حریم نے آنکھیں پھیلا کر مخالف کرسی پر بیٹھی امیرہ کو شکوہ کن نظروں سے دیکھا۔

"ریم۔"وائل کا لہجہ سختی لیے ہوئے تھا۔

"اچھا میں خاموش ہوں۔"اس نے شہادت کی انگلی منہ پہ رکھ لی۔

"امیرہ نے تصویر کل رات کو مکمل کر لی ہے۔"وائل نے سلسلہ کلام جوڑا۔

"ہمارا ہدف اس تصویر کو اصلی لافانی فقنوس سے بدلنے کا ہے۔میں نے جو منصوبہ ترتیب دیا ہے وہ کچھ اس طرح ہے۔"وائل نے نقشہ مزید پھیلایا۔ساتھ ہی قمری سالنامہ (کیلنڈر) بھی کھولا۔

"ہلال کمیٹی کی جانب سے آج رات یا پھر کل رات کو رمضان کی ابتدا کا اعلان کر دیا جائے گا۔حرم کی فراہم کی گئی اطلاعات کے مطابق رمضان کے چھٹے دن قلبلار

کمیٹی کے ایک مشیر کے بیٹے کی شادی ہے۔"اس نے حرم کی طرف دیکھتے ہوئے سات تاریخ کے گرد قلم سے دائرہ بنایا تو اس نے تائید میں سر ہلا دیا۔"بہت بڑی تقریب منعقد کی جائے گی۔ قائرہ سمیت کوہستان کے دیگر شہروں سے عوامی نمائندے شرکت پذیر ہوں گے۔ عجائب گھر کے حفاظتی نظام کے مطابق لافانی ققنوس کو اس کی جگہ سے ہٹائے جانے کی صورت میں گھنٹیاں بجنا شروع ہو جائیں گی۔ جو سپاہیوں کو فوری طور پہ مطلع کر دیں گی کہ تصویر کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ لیکن مشیر کے بیٹے کی شادی عجائب گھر کے ساتھ موجود شادی ہال میں ہے۔ اور قلبلار کے امراء میں ہونے والی وہ شادی ہی کیا جس میں آتش بازیاں نہ ہوں۔ ہم تصویر ٹھیک اس وقت چرائیں گے جب آتش بازی شروع ہو گی۔"وہ سانس لینے کے لیے رکا۔"رات کی چوکیداری کرنے والے سپاہیوں کا کھانا اس رات شادی ہال سے ہی آئے گا۔"وائل کرسی سے اٹھا اور ایک طرف پڑا تھیلا اٹھا کر حریم کی طرف اچھالا۔"ریم تم بھیس بدل کر باورچی خانے کے عملے میں شامل ہو گی اور نیند کی گولیاں اس کھانے میں ملاؤ گی جو عجائب گھر کے

سپاہیوں کے لیے جائے گا۔"

حریم نے تھیلا کھول کر دیکھا جس میں سیاہ سفید وردی تھی جو شادیوں میں کھانا بنانے اور پیش کرنے والا عملہ پہنا کرتا تھا۔

"حرم تم اس عمل کو یقینی بناؤ گے کہ سارے سپاہی وہ کھانا کھائیں۔اس عمل کو زیادہ حقیقت پسند بنانے کے لیے تم بھی وہ کھانا کھاؤ گے۔"وائل نے دوسرا تھیلا حرم کی طرف پھینکا۔اس میں قلبلار کے سپاہیوں کی پہنی جانے والی وردی تھی۔

"اگر کسی کو شک ہو گیا کہ میں اصلی سپاہی نہیں ہوں، تو؟"

"کسی کو معلوم نہیں ہو گا کہ تم بہروپیے ہو۔"وائل نے اعتماد سے کہا۔"چار دن بعد عجائب گھر کے حفاظتی عملے میں ایک نئے سپاہی کا اضافہ ہونا ہے۔اس کا قائرہ سے یہاں تبادلہ ہو رہا ہے۔ بھول گئے تم نے ہی بتایا تھا مجھے۔"

"اوہ ہاں۔"حرم متاثر ہوا۔"بہت ہی بڑے موقع پرست ہو تم تو سیٹھ۔اسی لیے اتنے خوش ہوئے تھے یہ خبر سن کر؟"

وائل نے سر کو اثبات میں ہلکی سی جنبش دی۔اس کے پورے منصوبے میں

صرف یہی ایک مسئلہ تھا کہ اگر چند سپاہیوں نے بھی نیند کی گولیاں نہ کھائیں تو کسی حد تک اس کا منصوبہ ناکام ہو سکتا تھا۔ مگر جب حرم نے اسے یہ خبر دی تھی تو اس نے بہت آسانی سے اس پرزے کو اپنے شاندار منصوبے کی تصویر میں شامل کر لیا تھا۔

"اس کے قلبلار پہنچنے سے پہلے ہی ہم اسے اغوا کر لیں گے۔ اس کی جگہ عجائب گھر تم جاؤ گے حرم۔" وائل نے گردن موڑ کر امیرہ کی طرف دیکھا۔ وہ میز پہ بچھے نقشے اور سالنامے کو دیکھ رہی تھی۔ پتہ نہیں وہ اپنی بات اس سے کہے گی بھی یا نہیں؟

"لافانی قفنوس عجائب گھر کے سب سے محفوظ کمرے میں رکھا گیا ہے۔" اس نے نقشے پہ ایک جگہ نشان لگایا۔ "اس کمرے میں کوئی کھڑکی نہیں ہے۔ صرف ایک دروازہ ہے، جس کے تالے کی چابی کا نمونہ تم لا کر دو گے حرم۔ نمونے کی مدد سے میں اسی طرح ک ایک نقلی چابی تیار کرواؤں گا۔ مگر یاد رہے یہ کام کرنے کے لیے تمہارے پاس زیادہ سے زیادہ صرف دو دن ہوں گے حرم۔ کر لو گے؟" وائل

نے رک کر تائید چاہی۔

"فکر ہی مت کرو سیٹھ۔ایک دن ہی کافی ہے۔" حرم نے اعتماد سے اپنی جیکٹ جھڑی۔

"تصویر کا حجم کافی بڑا ہے۔اسے اس کی جگہ سے نکالنے اور نقلی تصویر کو وہاں لگانے کے لیے دو لوگ درکار ہوں گے۔اس لیے امیرہ میرے ساتھ جائے گی۔" وائل نے غور سے امیرہ کی سنہری آنکھوں میں دیکھا۔وہ اب بھی پریشان نظر آ رہی تھی۔اُف۔یہ لڑکی اگر کچھ کہنا چاہتی تھی تو کہہ کیوں نہیں رہی تھی؟ زیادہ سے زیادہ وہ انکار ہی کرے گا نا.... پھر وہ اتنا ڈر کیوں رہی تھی؟

"اس کام کے بدلے ہمیں بیس ہزار دینار دیئے جا رہے ہیں۔" آخر میں وائل نے دونوں ہاتھ باہم ملا کر خوشگوار لہجے میں کہا۔آج سے پہلے انہیں اتنی بڑی رقم کی پیش کش کبھی نہیں کی گئی تھی۔امیرہ کے علاوہ باقی تینوں کافی خوش ہوئے تھے۔ اسے اب دبہ دبہ غصہ آنے لگا تھا۔

"امیرہ بنتِ آدم۔" وہ دونوں ہاتھ میز پہ جمائے امیرہ کو چبھتی نظروں کے ساتھ

دیکھتے ہوئے کافی کھردرے لہجے میں بولا۔سب کی نظریں امیرہ کی طرف مڑیں۔

"تمہارے دماغ میں جو بھی چل رہا ہے، کہہ ڈالو۔زیادہ سے زیادہ میں انکار ہی کروں گا۔ تمہیں کھا نہیں جاؤں گا۔"

"وائل میں تمہارے ساتھ اس چوری میں شرکت نہیں کروں گی۔"وہ بظاہر اعتماد سے بولی تھی مگر وائل پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا تھا اس کی آواز کی کپکپاہٹ وہاں موجود ہر فرد نے محسوس کی تھی۔

"وجہ؟" اس کا لہجہ تفتیشی تھا۔

"رمضان کے چھٹے دن میں قائرہ ہوں گی۔"سنہری آنکھیں اس کی آنکھوں پہ مرکوز کر کے وہ ہمت سے بولی تھی۔

تو وہ مدرسے چھٹی کی درخواست لے کر گئی تھی۔

"تم قائرہ جا رہی ہو؟"حرم نے چونک کر پوچھا۔امیرہ نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

"کس سے پوچھ کر؟"وائل کی آواز میں ایک کاٹ سی تھی۔

www.novelsclubb.com

امیرہ خاموش رہی۔سب اس کے بولنے کا انتظار کرتے رہے۔

"جواب دو جانِ تمنا۔" حریم نے مداخلت کی۔"وائل کے ساتھ جو معاہدہ تم نے کرر کھا ہے اس کے مطابق تم اس کی اجازت کے بغیر قلبلار چھوڑ کر نہیں جا سکتیں۔"اس نے جیسے امیرہ کو یاد دہانی کروائی۔

"امیرہ میں تمہارے جواب کا منتظر ہوں۔"وائل میز پر مزید آگے جھکا۔

"تمہارے برعکس، میرا ضمیر مجھے اس پاک ماہ میں چوری جیسا کبیرہ گناہ کرنے کی اجازت نہیں دیتا وائل۔"اس نے اپنے لہجے کو پُراعتماد رکھنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"امیرہ تمہارا نظریہ غلط نہیں ہے۔مگر تم تو ایسے کہہ رہی ہو جیسے آج سے پہلے تم نے ہمارے ساتھ مل کر کوئی جرم نہیں کیا؟" فیض اس سب میں پہلی مرتبہ کچھ بولا تھا۔

وائل کے پورے گروہ میں امیرہ اور فیض وہ واحد لوگ تھے جن کے ضمیر ابھی تک زندہ تھے۔شاید اس لیے کے وہ اس کے گروہ کے نئے ترین افراد تھے۔جلد

ان کے ضمیر کو بھی کیڑے پڑ جائیں گے، اس بات کا اسے یقین تھا۔ کیونکہ ایک گندی مچھلی سارے تالاب کو گندا کرتی ہے اور یہاں تو پورا کا پورا تالاب ہی گندا تھا۔ دو صفائی پسند مچھلیاں کتنی ہی دیر اپنے ضمیر کی بقا کی ناکام ترین کوشش کریں گی۔

"کیا ہے۔ اور میں اپنے کیے پر تہہ دل سے شرمندہ بھی ہوں۔" اس نے چہرہ وائل کی طرف موڑا۔ "لیکن یہ مجھ سے نہیں ہو گا وائل۔ مجھے اس طرزِ زندگی کو قبول کرنے کے لیے کچھ وقت چاہیے۔"

"اور اگلے رمضان تم کیا کرو گی امیرہ؟" حریم نے ترحم سے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے پوچھا۔

"میں کوشش کروں گی کہ...."

آگے الفاظ ختم ہو گئے۔ کیونکہ کوئی الفاظ تھے ہی نہیں۔ اس نے بے بسی سے وائل کو دیکھا۔ سورج کی پہلی کرن جیسی سنہری آنکھیں، جو اندھیرے میں اجالا کر دیں، امید کے تاثر سے چمک رہی تھیں۔ کیا اسے گمان تھا کہ وہ اس کی التجا رد نہیں کرے گا؟

www.novelsclubb.com

وہ بھاگ رہی تھی۔دن رات اسے ملامت کرتے اپنے ضمیر سے بھاگ رہی تھی۔یہ بات واضح تھی کہ اسے اس راستے کا انتخاب کرنے پر پچھتاوا تھا۔لیکن وائل کی نظر میں یہ پچھتاوا اس دوسرے راستے کا انتخاب کرنے سے ہزار درجے بہتر تھا۔

وائل نے کچھ دیر سوچنے کے بعد ایک گہرا سانس باہر خارج کیا۔

"امیرہ کی جگہ علینہ میرے ساتھ جائے گی۔" وہ اتنے حتمی انداز میں بولا تھا کہ سب نے بے ساختہ حیرت سے اسے دیکھا۔"جاؤ تم اپنے قائرہ۔نہیں آتا میں تمہارے اور تمہارے دین کے بیچ۔" وہ موقع پرست تھا اور اس وقت بھی یہی کر رہا تھا۔"مگر امیرہ یہ پہلی اور آخری مرتبہ ہے۔کیونکہ میں تمہاری بات ماننے کا پابند نہیں ہوں۔" سخت لہجے میں اپنی بات مکمل کر کے اس نے سوالیہ نظروں سے فیض کی طرف دیکھا۔

"ہاں بھئی فیض بتاؤ تمہارا وجدان اس منصوبے کے بارے میں کیا کہتا ہے؟" حرم نے پُرسوچ انداز میں آنکھیں چھوٹی کر کے فیض کو دیکھا۔فیض کچھ دیر نظریں

جھکائے غور و فکر کرتا رہا۔ وہ سارے منصوبے کو ذہن میں دھرا رہا تھا۔

فیض کا وجدان۔

سننے میں بہت عجیب لگتا تھا مگر کسی بھی چیز کے ہونے سے پہلے، ذرا سا غور و فکر کرنے پر اس کے مثبت یا منفی اثرات فیض پر واضح ہو جاتے تھے۔ ایک احساس سا ہوتا تھا اسے کہ فلان چیز اچھی ہے یا بری۔ جیسے ولیوں اور صوفیوں کو کچھ ہونے سے پہلے الہام ہو جاتا ہے۔ یہ کسی معجزے سے کم نہیں تھا، لیکن قدرت مہربان تھی اس پر۔ فیض کی یہ صلاحیت وائل کے لیے سب سے زیادہ مفید ثابت ہوتی تھی۔ کسی بھی منصوبے کو سرانجام دینے سے پہلے وہ فیض سے مشاورت لازمی کرتا تھا۔ اگر اس کے منصوبے میں کہیں کوئی کھوٹ یا خرابی ہوتی تو فیض اسے اپنے تفکر سے بہتر بنا دیتا۔

"مجھے اس منصوبے میں کوئی خرابی نظر نہیں آتی۔" کافی سوچ بچار کے بعد اس نے اعتماد سے کہا۔

"تو بس ٹھیک ہے۔ رمضان کی چھ کو سب تیار رہنا۔" وائل تحکم سے کہتا زینے

کی طرف بڑھ گیا۔البتہ جانے سے پہلے اس نے امیرہ کو آنکھوں سے اشارہ کر کے اوپر بلایا تھا۔

وہ تیز تیز قدم اٹھاتا غزال سے باہر نکلا اور پھر ایک دم پیچھے مڑا۔وہ جو جلدی میں اس کے عقب میں آ رہی تھی یکدم دو قدم پیچھے ہٹی۔

"کہو وائل تمہیں مجھ سے کیا چاہیے؟"خود کو سنبھال کر اس نے میں پوچھا۔

وائل نے آنکھیں قدرے پھیلا کر اس کی سنہری آنکھوں میں جھانکا۔

"تم ہی کہتے ہو نا، کہ اس دنیا میں مفت میں صرف سانس لی جا سکتی ہے۔باقی ہر چیز کی قیمت ہوتی ہے۔تو بتاؤ وائل بن آدم، تمہاری اس کرامات کی کیا قیمت چکانی ہو گی مجھے؟"

www.novelsclubb.com

"میں اتنا بھی مطلبی نہیں ہوں امیرہ۔"وہ باقاعدہ برا مان گیا۔

"جیسے میں تو تمہیں جانتی ہی نہیں نا۔"امیرہ نے سر جھٹکا۔

وہ استہزاء سے مسکرایا۔"شاید تم ٹھیک کہتی ہو۔تم مجھے سب سے کم وقت میں بھی بہت اچھے سے جان گئی ہو۔"

امیرہ نے ناخوشی سے آنکھیں گول گمائیں۔

اس نے ایک لمبا سانس لینے کے بعد اپنی بات کہی۔ مگر اس کے الفاظ نے امیرہ کو شش و پن میں ڈال دیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

لیلیٰ کو روانہ ہوئے پانچ دن بیت چکے تھے۔ وہ یتیم خانے میں دوا پہنچانے کے بعد بازار میں بنے ڈاک خانے میں آیا اور ایک خط قائرہ روانہ ہونے والے چٹھی رساں کو تھمایا۔ لیلی کو لکھا جانے والا یہ اس کا پہلا خط تھا۔

"کتنے دنوں میں پہنچ جائے گا میرا خط؟"

چٹھی رساں نے سر تا پاؤں اسے دیکھا۔ یقیناً وہ حاتم کے لباس کی طرف متوجہ تھا۔

"کم از کم چھ دن لگیں گے۔" ناگواری سے جواب دے کر اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

(اگر لیلیٰ چند دن اپنے ماموں کے گھر رکی ہو گی تو قائرہ پہنچنے کے ایک دو دن بعد

ہی خطا اسے مل جائے گا۔)اس نے ذہن میں تفریق کی اور باہر نکلا آیا۔وہ گھوڑی پہ سوار ہوا۔اور پھر شہر سے باہر نکلنے والے راستے کی طرف گھوڑی دبا دی۔

ٹھیک ایک گھنٹے بعد وہ غابانیہ کے سب سے خطرناک جنگل کی شمالی حدود کے باہر پہنچا۔اس سے آگے گھنے درختوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔اونچے، موٹے، زہریلے درخت جو میلوں کے رقبے پہ پھیلے تھے۔

سیاہ پڑتی لکڑیوں اور باسی ہوتے سنہری پتوں کی مہک اس کے ناک سے ٹکرائی۔ اس نے گردن گھوما کے اطراف کا جائزہ لیا۔خزاں کے موسم کی وجہ سے درختوں کے پتے جگہ جگہ بکھرے ہوئے تھے۔

حاتم گھوڑی سے اترا اور ہلکے ہلکے قدم اٹھاتا آس پاس کے درختوں کو جانچنے لگا۔ ایک درخت پہ نظر پڑی تو قدم بے ساختہ رک گئے۔اس کے چہرے پہ ایک خوشگوار مسکراہٹ بکھر گئی۔

یہ وہ درخت تھا جس کے پاس وہ چھ ماہ پہلے لیلیٰ سے پہلی مرتبہ ملا تھا۔جب وہ ایک غدار کی قید سے بھاگا تھا۔

اس دن وہ بری طرح زخمی تھا۔اس کے دائیں کندھے پہ پیچھے کی طرف ایک تیر لگا تھا۔اس نے بائیں ہاتھ سے بیاض کی لگام تھام رکھی تھی۔بیاض دیوانہ وار بھاگ رہی تھی۔اسے نہیں تھا معلوم وہ کہاں ہے۔کس طرف جا رہا ہے۔اس وقت اسے صرف ابوالحسن کی قید سے بھاگنا تھا۔

کندھے میں زوروں سے درد اٹھ رہا تھا،جواب لمحہ بہ لمحہ سارے جسم میں پھیلنے لگا تھا۔ہو نہ ہو،اسے لگنے والا تیر یقیناً زہریلا تھا۔

اس کے پیچھے اور بھی گھوڑوں کی ٹاپوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔وہ لوگ یقیناً اس کے قریب تھے۔بہت زیادہ قریب۔مگر اب اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں تھیں۔درد کے مارے سانس بھی مشکلوں سے لیا جا رہا تھا۔وہ مزید گھوڑی پہ بیٹھا نہیں رہ سکتا تھا۔خود بخود ہی کھسک کے نیچے گر گیا۔ایک درخت کی آغوش میں۔

آسمان پہ سیاہ بادل چھائے تھے جنہوں نے اس کی آنکھوں کو مزید دھندلا دیا تھا۔اور پھر سبز آنکھوں والا ایک نقاب میں پوشیدہ چہرہ اس پہ جھکا۔

"نقاب پوش...."وہ بمشکل الفاظ ادا کر پایا۔اس کے بعد ہر طرف اندھیرا چھا

گیا۔

نجانے کتنی دیر گزری تھی جب آسمان پہ زور سے بادل گرجے۔ایک جھٹکے میں حاتم کی آنکھیں کھلیں۔اسے محسوس ہوا وہ کسی بستر پہ لیٹا تھا۔وہ چھلانگ لگا کے نیچے اترا۔ادھر اُدھر نظر دوڑائی۔

شاید وہ کسی غار میں تھا۔دیوار پہ ایک لکڑی کی مشعل لٹک رہی تھی جس نے غار کو نیم منور کر رکھا تھا۔ایک طرف چولہا تھا جس میں آگ جل رہی تھی۔اوپر مٹی کا برتن پڑا تھا۔اس میں سے دھواں نکل رہا تھا۔چند ہتھیار بھی سامنے ہی پڑے تھے۔نیلام میں مقید ایک تلوار۔بڑی بڑی چھریاں جو گوشت کاٹنے کے لیے استعمال ہوتی ہیں۔اور ایک کلہاڑا۔

www.novelsclubb.com

اس نے گردن جھکا کے ایک نظر خود پہ ماری۔دائیں طرف سے اس کی شرٹ پھٹی ہوئی تھی۔کندھے پہ پٹیاں تھیں۔اس نے ذہن پہ زور دے کے یاد کرنے کی کوشش کی۔وہ ابوالحسن کی قید سے بھاگنے کے بعد ایک درخت کے تنے کے پاس بے خوش ہو گیا تھا۔پھر....

"ہاتھ اوپر،" اس کے پیچھے سے ایک آواز غار میں گونجی۔ نجانے لہجے کا رعب تھا یا خوف حاتم کے ہاتھ خود بخود ہی اوپر اٹھ گئے۔ "اپنی جگہ سے ہلے بغیر چہرہ اس طرف کرو۔"

وہ دھیرے سے دوسری طرف پلٹا۔ مگر اگلے ہی لمحے دنگ رہ گیا۔ سبز آنکھوں والا نقاب پوش بنا نقاب کے اس کے سامنے کھڑا تھا۔ بے خوش ہونے سے پہلے اس نے انہیں سبز آنکھوں کو دیکھا تھا۔ اس نے تیر کمان میں ڈالے، نشانہ حاتم پہ تان رکھا تھا۔

حاتم کی آنکھیں بے یقینی سے کھلی رہ گئیں۔ اسے اپنی گردن نفی میں ہلتی محسوس ہوئی۔ وہ نقاب پوش جسے نہران کی فوجیں پچھلے ایک مہینے سے تلاش کر رہی تھیں۔ جو ایک اشتہاری مجرم تھا۔ جس نے تین ماہ میں نہران کے امراء کے گھروں سے دس چوریاں کی تھیں۔ وہ ایک لڑکی ہے؟

"تم نقاب پوش ہو؟" وہ غیر دانستا آگے بڑھا۔

"میں نے کہا اپنی جگہ سے ہلو مت۔ ورنہ یہ تیر سیدھا تمہارے دل میں جائے

گا۔"سبز آنکھوں والی لڑکی نے تیکھی نظریں اس پہ جمائے رعب سے کہا۔

"میں نہتا ہوں۔ مجھ سے تمہیں کوئی خطرہ نہیں ہے۔ کمان نیچے کر لو۔"

نقاب پوش نے ایک تیز نظر حاتم کے پیچھے چولہے کی طرف دوڑائی۔ شاید وہ دیکھنے کی کوشش کر رہی تھی کہ کوئی ہتھیار غائب تو نہیں ہوا۔ پھر اس نے کمان نیچے کر لیا۔

حاتم اس کے پاس سے گزرا اور جہاں سے وہ اندر آئی تھی وہاں سے باہر نکل گیا۔ لڑکی نے اسے روکنے کی زحمت نہیں کی۔

وہ ایک سرنگ تھی۔ جیسی مشعل غار کے اندر لگی تھی ویسی ہی چند مشعلیں باہر جاتے راستے پہ بھی لگی تھیں۔ اس کے علاوہ سب اندھیرا تھا۔ وہ کچھ قدم چل کے مزید آگے گیا اور پھر اچانک ٹھٹکا۔ سرنگ تھوڑا آگے جا کے پانچ مختلف راستوں میں تقسیم ہو جاتی تھی۔ ان میں سے کسی راستے پہ بھی قدم رکھنا حماقت تھی کیونکہ وہ اس وقت غابانیہ کے سب سے خطرناک جنگل میں موجود تھا۔ پانچ سرنگوں والا جنگل۔

وہ واپس پلٹ آیا۔ نقاب پوش چولہے کے آگے بیٹھی تھی۔ وہ پھونک مار کے نیچے جلتی آگ کو مزید بھڑکانے کی کوشش کر رہی تھی۔ نجانے اس مٹی کے برتن میں کیا پکا رہی تھی؟

"میں کون ہوں یہ تو جان گئے ہو تم۔ اب ذرا خود سے بھی متعارف کرا دو۔" وہ چولہے پہ رکھے برتن میں چمچ ہلانے لگی۔

"یہاں سے باہر جانے کا راستہ کون سا ہے؟" وہ ذرا جھجکا۔

لڑکی کا نچلا لب ایک طنزیہ مسکراہٹ میں مڑا۔

(اُف۔ حاتم بن خیام۔ گئے تو ایسے تھے جیسے سب راستے معلوم ہوں۔)

"جتنا میں سمجھ سکی ہوں، اس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ تم ایک بھگوڑے قیدی ہو۔" اس نے بری طرح اس کے سوال کو نظر انداز کر کے اپنا تجزیہ پیش کیا۔

"بھگوڑا قیدی نہیں ہوں میں۔" حاتم نے جل کے قدرے اونچی آواز میں کہا۔

"اچھا؟ تو کیا نہران کے شہزادے ہو؟"

حاتم نے دانت کچکچائے۔ پھر وہ چند قدم چل کے اس کے قریب گیا۔

"جو بھی ہوں کم از کم تمہاری طرح چور نہیں ہوں۔" پورے اعتماد سے اسے شرمندہ کرنے کی کوشش کی۔

اور اس بات پہ اسے واقعی غصہ آیا تھا۔اس کی طنزیہ مسکراہٹ ایک لمحے میں غائب ہوئی۔اس کی جگہ پتھریلے تاثرات نے لے لی۔"تمیز سے پیش آؤ میرے ساتھ۔ محسن ہوں میں تمہاری۔"

"اب چور کو چور نہ کہا جائے تو کیا ملکہ کہا جائے؟"

وہ آنکھوں میں بے پناہ غصہ لیے اسے گھورتی رہی۔

"اوہ۔میرا خیال ہے تم جنس بدلنے کی وجہ سے برا مان گئی ہو۔چورنی کہہ کر بلاؤں گا تو ناراض نہیں ہو گی؟ہوں؟"

www.novelsclubb.com

ایک پلک جھپکنے کی دیر میں وہ چولہے کے پاس سے اٹھی اور حاتم کو دیوار سے لگا کے اس کی گردن دبوچی۔اس کے کندھے پہ ایک تکلیف دہ ٹیس اٹھی۔وہ دائیاں بازو استعمال نہیں کر سکتا تھا۔اس لیے بائیں ہاتھ سے خود کو اس جنگلی لومڑی کے شکنجے سے چھڑوانے کی سعی کرنے لگا۔اچانک اس کے چہرے پہ نظر پڑی تو تھم سا

گیا۔غابانیہ کے ہرے جنگلات جیسی اس کی سبز آنکھوں میں حاتم کو ایک لمحے کے لیے سرمئی آنکھوں والا ایک دل عزیز چہرہ ابھرتا دکھائی دیا تھا۔ مگر کیوں؟

"اوہ۔میرا خیال ہے تم گردن دبوچنے کی وجہ سے برا مان گئے ہو۔"چورنی نے اس کے گلے سے بائیاں ہاتھ ہٹایا۔"چھری سے شہ رگ کاٹوں گی تو ناراض نہیں ہو گے؟ہوں؟"نجانے اس نے وہ چھری چولہے کہ پاس سے کب اٹھائی۔ مگر اس وقت چھری کا ہتھ اس کے بائیں ہاتھ میں مقید تھا اور بلیڈ حاتم بن خیام کی گردن پہ ٹکا تھا۔ادھر وہ چلا۔اُدھر سانسیں رکیں۔

"پا....پاگل ہو گئی ہو۔"وہ ہکلایا۔"لگ جائے گی یہ مجھے۔"

"تمہیں مارنے کے لیے ہی گردن پہ رکھی ہوئی ہے۔"

حاتم نے تھوک اندر نگلا۔یہ کس پاگل سے اس کا پالا پڑ گیا تھا؟

"جانتے ہو صبح میں نے اسی چھری سے ایک ہرن کے بچے کو کاٹا تھا۔چولہے پہ وہی پک رہا ہے۔ تمہیں بھی کاٹ کے پکا دوں گی۔ کسی کو کانوں کان خبر تک نہیں ہو گی کہ تم کہاں مر گئے ہو۔"اس کی آنکھوں میں دیکھ کر وہ چبا چبا کے بول رہی

تھی۔"اگر زندہ رہنا چاہتے ہو تو تمیز سے پیش آؤ۔ہم دونوں ایک مہذب گفتگو بھی کر سکتے ہیں۔"

حاتم کی گردن کے بال کھڑے ہو چکے تھے۔اس نے سمجھ کے سر ہلایا تو اس نے چھری ہٹا کے اسے چھوڑ دیا۔

(چورنی کہیں کی۔ہونہہ!)واپس بستر پہ بیٹھتے ہوئے اس نے تلملا کر سوچا۔

تھوڑی دیر بعد اس نے حاتم کے سامنے مٹی کی پلیٹ میں تیرتا ہوا ہرن کا گوشت اور شوربا پیش کیا۔

حاتم نے بغور اسے دیکھ کے عجیب سا منہ بنایا۔مٹی کے برتنوں میں تو اس نے کبھی غلامی کی زندگی جیتے ہوئے بھی کھانا نہیں کھایا۔

www.novelsclubb.com

"زیادہ نخرے مت دکھاؤ۔کوئی نہران کے شہزادے نہیں ہو تم،نہ ہی ہم اس وقت کسی عالی شان محل میں موجود ہیں جو میں تمہیں چینی کے برتنوں میں کھانا پیش کرتی پھروں۔"وہ چبتی نظروں سے اسے گھورتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"پچھلے تین دنوں سے تم نے کچھ نہیں کھایا۔تمہیں توانائی کی ضرورت ہے۔"

"کیا!" حاتم کو دھچکا لگا۔ "میں تین دنوں سے بے ہوش تھا؟" بے یقینی سے سوال کیا۔

لڑکی نے اثبات میں سر کو جنبش دی تو اسے سست روی سے لکڑی کے چمچ کے ساتھ شوربا پینا شروع کر دیا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" اچانک خیال آیا تو پوچھے بغیر نہ رہ سکا۔

"بنتِ آدم۔"

"بہت ہی شاندار نام ہے۔"

"مجھے معلوم ہے۔" حاتم نے طنز کیا تھا اور وہ آگے سے کوئی اثر لیے بغیر بولی تھی ۔"تمہارا نام کیا ہے؟"

"ابنِ حوا۔"

اگر وہ اپنا نام نہیں بتا رہی تھی تو وہ کیوں بتا دیتا۔

"نقل خور۔" جس انداز میں وہ بولی تھی، حاتم کو ہنسی آ گئی۔ ایک لمحے کے لیے وہ اسے بری نہیں لگی تھی۔

www.novelsclubb.com

اور پھر دور کہیں گھوڑوں کی ٹاپوں کی مدھم سی آواز آنے لگی۔اس کا ذہن یکدم ماضی کی یادوں سے نکل کر حال میں واپس آیا۔ارد گرد نظر دوڑائی تو احساس ہوا کہ وہ ابھی بھی اسی درخت کے پاس کھڑا تھا۔ٹاپوں کی آواز ہر گزرتے لمحے کے ساتھ قریب تر ہو رہی تھی۔ جس دن کا اسے اتنی شدت سے انتظار تھا،وہ بلآخر آن پہنچا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آج کا دن زین بن ظفر کے لیے اہم تھا کیونکہ یہ دن دیکھنے کے لیے اس نے سالوں انتظار کیا تھا۔جو زندگی وہ جی رہا تھا،دل پہ پتھر رکھ کر اس کا چناؤ کیا تھا۔اپنے خواب قربان کیے تھے۔اور آج قربانی کا صلہ ملنا تھا۔انتظار اختتام پذیر ہونا تھا۔

وہ ابوالحسن کے حفاظتی دستے کے ہمراہ بطور نقیب (کپتان) نہران کی حدود سے باہر نکل کر ایک بیابان علاقے میں پہنچا تھا جب حاتم کو دیکھ کر ہاتھ اٹھا کے اشارہ کیا تو پیچھے کے گھوڑے اور ڈبا نما چار پہیوں والی بگھی،جو گھوڑوں کی مدد سے چلتی تھی، جس میں ابوالحسن سوار تھا،سب رک گئے۔

وہ اپنے گھوڑے سے نیچے اترا اور دائیاں ہاتھ ماتھے تک لے جا کر حاتم کو سلیوٹ کیا۔ وہ ہاتھ پیچھے باندھ کر کھڑا تھا۔ سر کو خم دے کر زین کو وہ کرنے کی اجازت دی جو ہونا ضروری تھا۔ جس کے لیے وہ دونوں آج اس جگہ پہ موجود تھے۔

زین چل کے ابوالحسن کی بگھی کے پیچھے آیا۔ ایک بگھی اس کی بگھی کے پیچھے بھی کھڑی تھی۔ البتہ اس میں کوئی سوار نہیں تھا کیونکہ وہ ذخیرے کے لیے استعمال ہو رہی تھی۔ زین نے ایک تیز نظر پندرہ ساتھی سپاہیوں پہ ڈالی جو اپنے گھوڑوں کی لگامیں تھامے گردنیں جھکائے کھڑے تھے۔ پھر گہرا سانس لے کر چھوٹی سی کھڑکی کا دروازہ کھول کر بگھی کے اندر جھانکا۔

"سید کوئی راہ گیر راستہ روکے کھڑا ہے۔ کہہ رہا ہے آپ سے ملنا چاہتا ہے۔"

"اور میں جبلین کا وزیر اعلیٰ ایک راہ گیر کے کہنا پر اس سے مل لوں گا؟ دماغ خراب ہے تمہارا نقیب؟" ابوالحسن کے ماتھے پہ شکنیں پڑیں۔ اس کے غرور کو جیسے یہ بات گوارا نہیں ہوئی تھی۔

"سید اس کا دعوی ہے وہ آپ کے ارادوں سے واقف ہے۔" زین نے گردن

جھکا کے کہا۔

حیرت سے ابوالحسن کی آنکھیں پھیلیں۔

"ٹھیک ہے دروازہ کھولو۔" ابوالحسن نے ہاتھ جھلا کے زین کو حکم صادر کیا۔اس نے تابعداری کی اور بگھی کا دروازہ کھول دیا۔ابوالحسن گردن اونچی رکھے باہر نکلا۔ گردنیں جھکا کے کھڑے سپاہیوں کے سر مزید جھک گئے۔وہ فخر سے مسکرایا اور پھر زین کے پیچھے چل دیا۔

اس کے ہمراہ چند قدم چل کے ابوالحسن بگھی کے آگے آیا اور حاتم کو آنکھیں چھوٹی کیے دیکھنے لگا۔جیسے پہچاننے کی سعی کر رہا ہو۔زین نے بھی ایک طرف کھڑے ہو کر اسے سر تا پاؤں غور سے دیکھا۔

www.novelsclubb.com

وہ کندھوں سے پاؤں تک ایک مٹیالے رنگ کا لبادہ اوڑھے ہوئے تھا۔البتہ اس کا چہرہ ڈھکا ہوا نہیں تھا۔اس کے ہلکے بھورے رنگ کے بال سلیقے سے کنگی کر کے پیچھے جمے تھے۔تنقید بھری، ہلکی سنہری آنکھیں ابوالحسن پر ہی مرکوز تھیں۔ خوبصورت نین نقش، جوان چہرہ، ہلکی ہلکی داڑھی اور بے داغ رنگت۔حاتم دیکھنے

میں بلاشبہ ایک خوبصورت نوجوان نظر آتا تھا۔

"پہچانا؟" وہ ابوالحسن کے رعب و دبدبے سے متاثر ہوئے بغیر سنجیدہ تاثرات چہرے پہ سجائے ہموار سی آواز میں بولا۔

"کون ہو؟" مشکوک نظریں اس پہ جمائے ابوالحسن نے سوال کیا۔

حاتم خاموش رہا۔ ابوالحسن کچھ قدم چل کے مزید اس کے قریب گیا۔ پتلیاں سکیڑ کے غور سے اسے دیکھا۔ اگلے ہی لمحے وہ اچھل کے الٹے قدموں پیچھے ہٹا۔

"یہ وہی ہے، جو چھ ماہ پہلے ہماری قید سے بھاگا تھا۔" اس نے سپاہیوں کی طرف رخ کیا اور ہڑبڑا کے کہا۔

"اس گستاخ کو گرفتار کر لو۔" انگلی اسے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس نے غصے اور جلال کے عالم میں اپنے سپاہیوں کو حکم دیا۔ سپاہی آگے آئے۔ تین قطاریں بنائیں اور پھر زمین پہ گھٹنے ٹیکتے ہوئے گردنیں جھکا کے سامنے کھڑے حاتم کو شاہی طرز کا سلام پیش کیا۔ زین اپنی جگہ کھڑا اس سارے منظر کو دیکھتا رہا۔

ابوالحسن اپنی جگہ منجمد رہ گیا۔ گویا برف کا مجسمہ ہو۔ اس کے سپاہی اس کی

موجودگی میں ایک بھگوڑے قیدی کو سلام کر رہے تھے۔اس کے آگے گھٹنے ٹیک رہے تھے۔اس کا کنگ رہ جانا تو لازم تھا۔

اس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے حاتم کو دیکھا جس نے ہاتھ سے اٹھنے کا اشارہ کیا تو تمام سپاہی اٹھ کے سیدھے کھڑے ہو گئے۔

"یہ کیا ہو رہا ہے زین؟" وہ نفی میں سر ہلاتا زین پہ جھپٹا۔اسے گریبان سے پکڑ کے غرایا۔"تم نے سنا نہیں میں نے کہا اسے گرفتار کرو۔"

"جو آپ کا حکم سیّد۔"زین مسکرایا اور پھر چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا بائیں طرف کھڑے حاتم کے پیچھے جا کھڑا ہوا۔دونوں ہاتھ آگے باندھ کے گردن جھکالی ۔ابوالحسن کے پیچھے کھڑے سپاہیوں کی گردنیں بھی جھکی تھیں۔

حاتم نے مٹیالے رنگ کا لبادہ اتار کے پیچھے کھڑے زین کو پکڑایا۔زین نے دانستا نظریں اٹھائیں۔ابوالحسن کا رنگ ایسے پھیکا پڑا تھا جیسے اس اگلا سانس حلق میں ہی اٹک گیا ہو۔کیونکہ حاتم زیتونی سبز رنگ کی غابانوی فوجی وردی میں ملبوس تھا۔وہ رانوں تک آتی فوجی طرز کی جیکٹ کے ساتھ ہم رنگ پینٹ اور گھٹنوں سے ذرا

نیچے کو آتے لیدر کے سیاہ، چمکدار بوٹ پہنے ہوئے تھا۔ناف سے تھوڑا اوپر، قمر کے گرد گہرے بھورے رنگ کا بیلٹ بندھا تھا۔اوپری بائیں بازو پہ خاکی رنگ کی ایک چھوٹی سی پٹی تھی جس پہ دو تلواروں کی ضرب اور کھلے پروں والے عقاب کا نشان گھڑا تھا۔آستینوں پہ سنہری بٹن اور کندھوں پہ تین سنہری ستارے لگے تھے۔

زین سمیت باقی سپاہیوں نے بھی اسی طرز کی وردی پہنی ہوئی تھی۔

"اپنے سید سے میرا تعارف نہیں کراؤ گے زین؟" پیچھے کھڑے زین کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے اسی ٹھنڈی اور ہموار آواز میں کہا۔درمیان میں حائل فاصلے کے باوجود زین دیکھ سکتا تھا کہ ابوالحسن کے حلق میں ایک گلٹی سے ابھر کے معدوم ہوئی ہے۔زین کے چہرے پہ ایک فاتحانہ مسکراہٹ واضح ہوئی۔اور پھر اس نے ابوالحسن کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اونچی گردن کر کے کہنا شروع کیا۔یوں جیسے وہ کسی کتاب سے دیکھ کر اس میں لکھے القابات پڑھ رہا تھا۔

"ان کا نام حاتم بن خیام ہے۔سلطان کی فوج کے سپاہی، نجم دستے کے رائد، غابانیہ کی اعلیٰ ترین ریاست اور دارالحکومت، نہران کے امیر اور الحاکمی تخت کے

پانچویں حکمران، عظیم الشان سلطان، خیام بن حارث کے دوسرے بیٹے۔ خدا سلطان کی زندگی سلامت رکھے اور ان کی حکومت طویل کرے۔"

(عربی زبان میں فوج میں میجر کے عہدے پر فائز اہلکار کو رائد کہتے ہیں۔)

"آمین۔" زین خاموش ہوا تو سپاہیوں کی زبانیں بے ساختہ دعا گو ہوئیں۔

"ناممکن۔ سلطان کا چھوٹا بیٹا تو پچھلے تین سال سے حداد میں مقیم ہے؟ وہ تو اگلے ہفتے واپس آنے والا تھا۔" وہ نفی میں سر ہلاتا بے یقینی سے سامنے کھڑے نوجوان کو دیکھ رہا تھا جو شاہی خاندان کا سپوت ہونے کا دعویدار تھا۔

"ابوالحسن، جابر بن عفان آپ کو غابانیہ کے عظیم سلطان، خیام بن حارث کے ساتھ غداری کر کے، غابانیہ کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کا عزم رکھنے اور حکومتی خزانے میں سے چوری کرنے کے جرم میں گرفتار کیا جاتا ہے۔" نہران کے امیر نے پُر سکون آواز میں کہہ کر، گردن قدرے پیچھے موڑ کے زین کو نگاہوں سے اشارہ کیا۔ جو اگلے ہی لمحے ہاتھوں میں لوہے کی ہتھکڑیاں لیے اپنے رائد کا حکم بجا لانے کے لیے ابوالحسن کی طرف بڑھا تھا۔ ابوالحسن کا رنگ ایسے اڑا جیسے اس پہ

منوں مٹی آن پڑی ہو۔

چھ مہینے پہلے جب ابوالحسن حاتم سے ملا تھا تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ عام سا نوجوان غابانیہ کا ممکنہ ولی عہد ہو گا۔اس دن بھی ابوالحسن سلطان خیام سے ملاقات کے بعد واپس جبلین کے لیے روانہ تھا جب موسمی خرابی کی وجہ سے پانچ سرنگوں والے جنگل کے قریب انہیں قیام کرنا پڑا تھا۔

زین حاتم کا خفیہ سپاہی تھا جو ابوالحسن کی جاسوسی کرتا تھا۔اکیس برس کی عمر میں جب اس نے فوج میں شمولیت اختیار کی تھی تو جو پہلا کام اسے دیا گیا تھا وہ ابوالحسن پر نظر رکھنا ہی تھا۔پورے دو سال لگے تھے اسے ابوالحسن کے بھروسہ مند لوگوں میں شامل ہونے میں، مگر اس کی محنت رنگ لائی تھی۔ابوالحسن پر نظر رکھنے کی اکلوتی وجہ یہ تھی کہ شہزادے حاتم کے ذرائعوں کے مطابق ابوالحسن دشمنوں کے ساتھ مل کر الحاکمی تخت کے خلاف بغاوت کرنے کی سعی کر رہا تھا۔اپنے ملک کے لوگ اسے قبول کر لیں اس آس میں حاتم نے ابوالحسن کو بے نقاب کرنے کا عزم کیا تھا اور زین نے اس کا بھرپور ساتھ دیا تھا۔

چھ ماہ قبل حاتم ان کے خیمے کے قریب زین سے تازہ ترین معلومات لینے ہی آیا تھا۔ چونکہ زین کو ابوالحسن کی طرف سے سائے کی طرح اس کے ساتھ رہنے کا حکم تھا اس لیے محل میں ان دونوں کی ملاقات نہیں ہو سکی تھی۔

زین ساتھی سپاہیوں سے چھپ چھپا کے ایک بڑے سے درخت کی اوٹ میں گیا، جہاں حاتم پہلے سے ہی اس کا منتظر تھا۔ اس کی سفید گھوڑی پیچھے جھاڑیوں کے پاس کھڑی تھی۔

حاتم کو سلیوٹ کرنے کے بعد زین نے اسے ابوالحسن کی حالیہ مشکوک سرگرمیوں کے بارے میں آگاہ کرنا شروع کیا۔

"جبلین شہر کے مضافاتی پسماندہ گاؤں اور قصبوں میں بنیادی انسانی ضروریات میں بہتری لانے کی آڑ میں، ابوالحسن ہر چھ ماہ بعد سلطان خیام سے حکومتی خزانے میں سے بھاری تعداد میں نقدی اور سونا وصول کرتا ہے۔" زین نے اسے ایک ہی سانس میں کچھ مہینوں سے کیے جانے والے مشاہدے کی تفصیلات بتا ڈالیں۔

"اس بات کو ثابت کرنے کے لیے تم نے ابھی تک کوئی ٹھوس ثبوت اکٹھا کیا۔"

حاتم کو خیال گزرا تو اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"میں کوشش کر رہا ہوں۔ مگر کوئی بھی ابوالحسن کے خلاف گواہی دینے کو تیار نہیں ہے۔ حتیٰ کہ جو نائب سلطان خیام نے جبلین میں چھوڑا ہوا ہے وہ بھی ابوالحسن کا خاص آدمی ہے۔ حکومتی خزانے کے استعمال کے بارے میں وہ سلطان خیام کے ساتھ غلط بیانی کرتا ہے۔" زین نے افسوس سے سر جھٹکا۔ "میں خود ان گاؤں کے حالات دیکھ کر آیا ہوں۔ وہاں کوئی خاص تبدیلی نہیں آئی۔ عنایت کیے جانے والے خزانے میں سے صرف دس فیصد ترقی کے مقصد کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ باقی خزانہ ابوالحسن کسی جزیرے پہ منتقل کر دیتا ہے۔ اور ایسا صرف غابانیہ میں نہیں ہو رہا۔ باقی ملکوں کے وزیر بھی اس سرگرمی میں شامل ہیں۔ وہ جزیرہ ہے کون سا یہ مجھے ابھی تک معلوم نہیں ہو سکا۔ مگر کوئی ہے جو ان چور وزیروں کے گروہ کا سربراہ ہے۔ اور اسی کی شہ پر ہی ابوالحسن سمیت دیگر ملکوں کے وزیروں میں بھی یہ بدعنوانی کرنے کی ہمت پیدا ہوئی ہے۔ میں...."

ایک دم سے ایک تیر زین کی داہنی آنکھ کے قریب سے گزرا۔ صرف ایک لمحے

کے لیے ہولناک خاموشی چھائی اور پھر حاتم نے ایک جھٹکے میں ایک خنجر پوری قوت سے زین کے پیچھے پھینکا۔

"غدار...." زین کے پیچھے کھڑے سپاہی کے الفاظ اس کے حلق میں ہی اٹک گئے کیونکہ اگلے ہی لمحے وہ زمین پہ اوندھے منہ گرا تھا۔ حاتم کا تیز دھاری خنجر سیدھا جا کر اس کی شہ رگ پر لگا تھا۔ مگر اتنے میں باقی سپاہی بھی جھاڑیوں سے نمودار ہوتے دکھائی دیئے۔

اگلے لمحے حاتم نے بائیاں بازو زین کے سینے کے گرد حائل کرتے ہوئے اسے اپنی طرف کھینچا اور دائیں بازو میں مقید دوسرا خنجر اس کی گردن پر رکھا۔ زین کی تنفّس تیز ہوا۔

www.novelsclubb.com

"اگر آگے بڑھے تو میں اسے جان سے مار دوں گا۔" حاتم نے ان کی طرف آتے سپاہیوں کو للکار کر کہا۔

وہ آخر کیا کرنے کی کوشش کر رہا تھا؟ اسے بھاگ جانا چاہیے تھا۔ زین پکڑا جاتا تو خیر تھی۔ مگر وہ ابوالحسن کے ہاتھ نہیں لگنا چاہیے تھا۔ اگر ابوالحسن کو بھنک بھی پڑ

گئی کہ وہ نہران کا شہزادہ ہے تو کہیں وہ غابانیہ کو تباہ و برباد کرنے کے لیے اسے استعمال کرنے کی منصوبہ سازی ہی نہ کر لے۔ بھلے ہی وہ ایک مطرود شہزادہ تھا۔ مگر تھا تو شہزادہ ہی نا۔ اور شہزادوں کی قدر و قیمت ایسی ہوتی ہے کہ وہ سلطنتیں بنانے کے لیے بھی استعمال ہو سکتے ہیں اور توڑنے کے لیے بھی۔

"تم ہلو مت۔" اس نے زین کے کان کے قریب سرگوشی کی۔ "تمہارا راز، راز رکھنے کے لیے یہ کرنا ضروری ہے۔"

سپاہی آگے بڑھے۔

"میں نے کہا آگے مت آنا، ورنہ تمہارا ساتھی اگلے جہاں پہنچ جائے گا۔" اس نے مزید اونچی آواز میں اپنی بات دہرائی۔

سپاہیوں کے قدم تھمے۔ انہوں نے آپس میں نظروں کا تبادلہ کیا۔ مگر وہ تعداد میں زیادہ تھے۔ حاتم اکیلے ان کا مقابلہ کر ہی نہیں سکتا تھا۔ نہ ہی اتنے سارے سپاہیوں کو مارا جا سکتا تھا۔

"چاہے کچھ بھی ہو جائے زین، مجھ سے لاتعلقی ظاہر کرنا۔" اس نی دھیمی آواز

میں سرگوشی کرتے ہوئے زین کو تنبیہ کی۔اگلے ہی لمحے زین کے گرد اس کی گرفت مانند پڑی اور وہ گھٹنوں کے بل نیچے گرا۔

زین نے مڑ کر دیکھا تو ایک سپاہی اپنی تلوار حاتم کی گردن پر تانے اس کے پیچھے کھڑا تھا۔یقیناً وہ پیچھے سے اس پر جھپٹا تھا۔

زین کے پیچھے کھڑے سپاہیوں میں سے بھی دو آگے آئے اور حاتم کے منہ پہ دو چار مکّے رسید کیے۔اس کے نچلے ہونٹ سے خون نکلنا شروع ہو گیا۔

اب حاتم نے ناٹک شروع کیا تھا تو زین کو اپنا کردار نبھانا ہی تھا۔دوسرا کوئی راستہ نہیں بچا تھا۔

"اس کے ہاتھ باندھو اور اسے میرے خیمے میں لے چلو۔"زین نے سپاہیوں کو حکم دیا تو وہ رسی سے حاتم کے ہاتھ باندھ کر اسے ایک خیمے میں لے آئے۔

چونکہ ابوالحسن اپنے خیمے میں آرام کر رہا تھا اس لیے بطور کپتان تفتیش زین کو ہی شروع کرنی پڑی۔

وہ ایک کرسی، رسیوّں میں جکڑے حاتم کے سامنے بچھا کر بیٹھا، اور سوالات کا

سلسلہ شروع کیا۔

"نام؟"

"قیس بن قاسم۔"

"پیشہ؟"

"لکھاری۔"

"وطن؟"

"حداد۔"

وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر اعتماد سے جواب دے رہا تھا۔اس کی داہنی آنکھ سپاہیوں کے مارنے کی وجہ سے سوجھ چکی تھی۔ کنپٹی سے ہلکا ہلکا خون بھی بہہ رہا تھا۔ شہزادے کا قیمتی خون ضائع ہو رہا تھا اور زین کچھ بھی نہیں کر پا رہا تھا۔

زین نے مٹھیاں بھینچیں۔

"سید ابوالحسن کا پیچھا کیوں کر رہے تھے؟"اس نے بظاہر غصہ دکھایا۔

"میں ان کا پیچھا نہیں کر رہا تھا۔مجھے تم سے خطرہ محسوس ہوا اس لیے میں نے تم

پر خنجر تانا۔" حاتم کے اعتماد میں کوئی کمی نہیں آئی۔ وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس کے سوالات کے جواب دے رہا تھا۔

"اور اسی لیے تم نے میرے بھائی کو بھی جان سے مار ڈالنے کی کوشش کی؟ کیا بکواس ہے یہ؟" زین کے پیچھے ایک سپاہی غرایا تھا۔

جس سپاہی کو حاتم نے خنجر مارا تھا وہ پیچھے کھڑے سپاہی کا بھائی ہونے کے ساتھ ساتھ ابوالحسن کا خاص فوجی بھی تھا۔ کافی خون بہہ جانے کی وجہ سے وہ موت کے کافی قریب پہنچ چکا تھا۔ بروقت طبعی امداد نہ ملنے کی صورت میں اس کی جان جا سکتی تھی۔ چلی ہی جاتی تو اچھا تھا کیونکہ اگر وہ زندہ بچ جاتا تو زین کا جاسوس ہونے کا راز کھل کر سامنے آجاتا۔

www.novelsclubb.com

"میں تمہیں بتا رہا ہوں اگر میرے بھائی کو کچھ بھی ہوا تو میں خود اپنے ہاتھوں سے تمہاری جان لوں گا۔" وہ اپنے دونوں ہاتھ حاتم کو دکھاتے ہوئے چلایا۔

"تمہارے بھائی نے پہلے مجھ پر تیر چلایا تھا۔" حاتم کا انداز سپاٹ تھا۔

"یہ جھوٹ بول رہا ہے نقیب۔ ہو نہ ہو یہ ابوالحسن کے دشمنوں میں سے کوئی

ہے۔ ہمیں سیّد کو جگا کر انہیں اطلاع کرنی چاہیے۔" سپاہی نے جلدی سے تجویز پیش کی۔ اسے صرف اپنے بھائی کی اس حالت کا انتقام لینا تھا حاتم سے۔ اس کی خون آلود آنکھیں اس کے ارادے مخفی رکھنے میں ناکام ہو رہی تھیں۔

"اس دستے کا کپتان میں ہوں یا تم؟" زین نے دبے سے غصے میں سپاہی کو خاموش کروایا۔

حاتم نے گردن ہلکی سی نفی میں ہلائی۔ لبوں نے بنا آواز کے حرکت کی۔ "بے باک مت بنو۔"

"میں سیّد کو بلا کر لاتا ہوں۔" اس سے پہلے کوئی اور سپاہی ابوالحسن کو جگا کر حاتم کے خلاف زہر اگلتا اس نے خود اسے مطلع کرنا بہتر سمجھا۔

خونہار سپاہی کو بھی وہ اپنے ساتھ لے گیا۔ اسے حاتم کے ساتھ چھوڑنا کسی حماقت سے کم نہیں تھا۔

زین نے ابوالحسن کو جگا کر موجودہ صورت حال سے آگاہ کیا۔ وہ ابوالحسن کو لیے اپنے خیمے میں واپس آیا۔ قدم اندر رکھتے ہی وہ دنگ رہ گیا۔

حاتم کا چہرہ خون سے رنگا تھا۔اس کی دوسری کنپٹی سے بھی تازہ خون باہر نکل رہا تھا۔آنکھ پہلے سے زیادہ سوجھ چکی تھی۔

سپاہیوں کے تشدد کی وجہ سے اس کے چہرے پہ اتنے نشان پڑ گئے تھے کہ پہچاننا مشکل ہو رہا تھا۔زین اسے ان وحشیوں کے ساتھ اکیلا چھوڑ کر جانے پر پچھتایا۔

ابوالحسن نے ایک مرتبہ غور سے حاتم کو دیکھا اور پھر بنا کسی سوال جواب کے، اپنی تلوار زین کی طرف بڑھاتے ہوئے اسے حاتم کو قتل کرنے کا حکم دے دیا۔

زین کا تو جیسے دماغ ہی ماؤف ہو گیا۔

اس نے تلوار پکڑی۔مگر اس کے ہاتھوں میں ہلکی سی لرزش ہوئی تھی جو شکر ہے ابوالحسن نے محسوس نہیں کی۔وہ چھوٹے چھوٹے قدم چل کر قریب گیا۔

حاتم کی بگڑی ہوئی شکل کے باوجود بھی گڑبڑاہٹ کے تاثرات اس کے چہرے پر واضح ہوئے۔

"مرنے والے سے اس کی آخری خواہش پوچھی جاتی ہے۔" حاتم نے ابوالحسن کو پکارا۔

اس نے آنکھیں چندھیا کر حاتم کو غور سے دیکھا۔ پھر تمسخرانہ مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔ "کہو، لکھاری تمہاری آخری خواہش کیا ہے؟"

"میں مرنے سے پہلے عصر کی نماز ادا کرنا چاہتا ہوں۔"

"ہوں۔" ابوالحسن نے مشکوک نظریں حاتم پہ جمائیں۔ "تم شکل سے نمازی لگتے تو نہیں۔ مگر خیر! میں خدا اور بندے کے بیچ آنے والا کون ہوتا ہوں۔" پھر اس نے پیچھے کھڑے سپاہیوں میں سے ایک کو حکم دیا۔ "اس کی آخری نماز کا اہتمام کرو۔ اور اگر یہ کوئی چالاکی کرنے کی کوشش کرے تو جان لینے میں ایک پل کی بھی دیر مت کرنا۔"

ابوالحسن گردن کڑا کر خیمے سے باہر نکل گیا۔ حاتم کی رسّیاں کھولی گئیں۔ زین اسے پکڑ کر باہر لایا اور پانی کے ایک مٹکے سے اسے وضو کروانے لگا۔

"یہاں سے دائیں طرف آپ کی گھوڑی ایک درخت کے تنے کے ساتھ بندھی کھڑی ہے۔ میں سپاہیوں کا دھیان بٹانے کی کوشش کروں گا۔ آپ بھاگ جایئے گا۔" زین نے ساتھی سپاہیوں سے بچ بچا کر حاتم کو اپنے منصوبے سے آراستہ کیا۔

سپاہی ان دونوں کے پیچھے کھڑے تھے۔زین نے اپنے آستین کے اندر سے ایک چاقو نکالا اور دائیں کندھے پر چلانے کے بعد وہ درد کے ماری اونچی آواز میں کراہا۔ حاتم نے پہلے تو چونک کر اسے دیکھا مگر پھر چاقو اس کے ہاتھ سے لے کر دائیں طرف بھاگ گیا۔

زین زمین پہ دہرا ہوا۔اسے کافی درد ہو رہا تھا مگر اس نے درد کی شدت سے کئی گنا زیادہ چلا کر پاس کے سپاہیوں کو حاتم کے پیچھے جانے سے روکنے کی کوشش کی۔ مگر دیکھتے ہی دیکھتے جس سپاہی کے بھائی کو خنجر لگا تھا اس نے تیر کمان حاتم پر تانا جو اگلے لمحے سیدھا جا کر حاتم کے دائیں کندھے پر لگا۔

مگر وہ نظر سے اوجھل ہو گیا تھا۔اس کے بعد ابوالحسن کے دوسرے سپاہی اس کے پیچھے گئے مگر وہ انہیں نہیں ملا۔وہ جیسے کہیں غائب ہی ہو گیا تھا۔پورے ایک ہفتے تک محل میں کوہرام مچا رہا۔آخر کو ایک شہزادہ منظرِ عام سے غائب ہوا تھا۔گو کہ وہ نہران کے لوگوں کی نظر میں تو ویسے بھی وجود نہیں رکھتا تھا مگر شاہی خاندان کو شہزادے کی گمشدگی کے بارے میں المناک قسم کے خدشات ہونے لگے تھے۔

خاص طور پر شہزادے تیمور کو۔ مگر ایک ہفتے بعد حاتم واپس آ گیا۔ زین کو نہیں معلوم اس ایک ہفتے کے دوران وہ کہاں رہا۔ اس کے لیے یہی کافی تھا کہ وہ محفوظ تھا۔

اونچی انسانی آوازیں کان میں گونجیں تو اس کا ذہن حال میں واپس آیا۔

ٹھیک ایک گھنٹے بعد، سپاہیوں کہ ہمراہ زین اور شہزادہ حاتم نہران شہر کی پتھروں سے بنی اونچی اور لمبی، چوڑی فصیل میں لگا بھاری گیٹ پار کر کے اندرون شہر کی گلیوں سے گزر رہے تھے۔ آگے حاتم اور زین کے گھوڑے تھے۔ پیچھے ابوالحسن بیڑیوں میں جکڑا اپنے آپ کو گھسیٹ کر چلنے پر مجبور تھا۔

لوگ ایک طرف ہٹتے فوجیوں کو راستہ دینے لگے۔ کچھ بالکونیوں میں کھڑے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔

"ارے یہ تو میرے قہوہ خانے پہ کئی مرتبہ آ چکا ہے۔" ہجوم میں کھڑے ایک بوڑھے آدمی نے حاتم کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "کہتا تھا، شاہی خادم ہے۔ مگر یہ تو فوجی نکلا۔" بھوڑا آدمی فخر سے مسکرا رہا تھا۔

"وہ دیکھو، شہزادہ حاتم۔" اس کے ساتھ کھڑے دوسرے آدمی نے حاتم کی طرف اشارہ کر کے جیسے اعلان کیا۔ بھوڑے آدمی کی آنکھوں سے فخر کے تاثرات ایسے محو ہوئے جیسے وہاں کبھی تھے ہی نہیں۔ چہرے پہ یکدم سختی در آئی۔

زین نے کنکھیوں سے حاتم کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ٹھکرائے جانے کا ایک سوگوار سا تاثر تھا۔ لوگوں کی نظریں بھی بے ساختہ حاتم کی طرف اٹھیں۔ مگر ان میں کوئی احترام نہیں تھا۔ صرف تنقید تھی۔ جن نظروں میں تنقید نہیں تھی، وہاں بس تجسس تھا۔ شاہی سپوت ہونے کے ناتے جس شان اور عزت کا وہ اہل تھا وہ نہران کے لوگوں نے اسے کبھی نہیں دی۔ وہ ایک مطرود شہزادہ تھا۔

مگر اس آدمی کو کیسے معلوم ہوا کہ وہ شہزادہ حاتم ہے؟ شاہی خاندان کے افراد اور زین کے علاوہ چند گنے چنے لوگ ہی جانتے تھے کہ شہزادہ حاتم بن خیام دراصل نہران میں ہی مقیم ہے۔ ورنہ سب تو یہی سمجھتے تھے کہ وہ حداد میں رہائش پذیر ہے ۔ وہ ان لوگوں کے بیچ ایک عام آدمی کی طرح رہتا ہے اس کا تو کسی کو خیال تک نہیں آیا ہو گا۔

فوجیوں کا وفد پل سے گزر کے ایک اور بڑے گیٹ کے پاس پہنچے۔ گو کہ وہ شہر داخل ہونے والے گیٹ سے چھوٹا تھا۔ سپاہیوں نے سلیوٹ کر کے دروازہ کھول دیا۔ وہ سب اندر داخل ہوئے۔ حاتم اور زین گھوڑوں سے نیچے اترے تو اصطبل کی دیکھ بھال کرنے والے دو خادم آئے اور گھوڑوں کی لگامیں سنبھالتے ہوئے انہیں دوسری طرف لے گئے۔ جہاں اور بھی کافی سارے گھوڑے ایک قطار میں بندھے تھے۔ زین نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ ابوالحسن کو زندان میں لے جائیں۔ جلد جبلین کے وزیرِ اعلیٰ کو عدالتی احتساب کا سامنا کرنا تھا۔

"تمہارا بہت شکریہ زین۔" حاتم نے مسکرا کر کہا تو زین نے سر کو خم دے کر داد وصول کی۔ "اگر تمہارا ساتھ نہیں ہوتا تو ابوالحسن کو اس کے خطرناک عزائم میں کامیاب ہونے سے میں اکیلا کبھی نہیں روک پاتا۔ تمہاری خدمات کے لیے میں تمہارا مشکور ہوں۔"

"شہزادے، یہ میرا فرض تھا۔" اس نے دائیاں ہاتھ سینے پہ رکھا۔

دوسری طرف سے شہزادہ تیمور تیزی سے ان دونوں کے قریب آیا۔ زین سے

مصافحہ کیااور اپنے بھائی کے گلے لگا۔

"میں تمہیں بتا نہیں سکتا حاتم، میں کتنا خوش ہوں۔"اس سے الگ ہو کر اس نے حاتم کے کندھے پر ہلکا سا مکا جھڑا۔"نہران کا شہزادہ اپنے وطن واپس لوٹ آیا ہے۔وہ وطن جو اس کی اصلی جگہ ہے۔اب لوگ اسے برا نہیں سمجھیں گے۔"

وہ دونوں بھائی سر کو ہلکی سی جنبش دے کر زین سے دور محل کے باغیچے کی طرف چل دیئے۔

"صرف تمہارے کہنے پر اتنا بڑا تماشا لگایا ہے تیمور۔ورنہ ابوالحسن کو ہم محل میں بھی گرفتار کر سکتے تھے۔اور کیا ضرورت تھی اس آدمی کو وہاں کھڑا کرنے کی؟"

حاتم کی آواز تھوڑی ناراض سنائی دیتی تھی۔

تو وہ اعلان کرنے والا آدمی بھی شہزادے تیمور نے ہی بھیجا تھا۔تاکہ ہر کسی کو یہ خبر مل جائے کے شہزادہ حاتم واپس آگیا ہے۔اور وہ ملک سے دور بھی ملک کی خاطر ہی تھا۔

"اونہوں۔ایسے لوگوں کو کبھی معلوم نہیں ہوتا کہ ان کے شہزادے میں بھی

حب الوطنی ہے۔اور اس نے اپنے ملک سے کبھی منہ نہیں پھیرا۔"شہزادہ تیمور اس سارے تماشے سے واقع کافی متاثر ہوا تھا۔

ان دونوں کی آوازیں مدھم ہوتی گئیں۔

زین دھیرے سے مسکرادیا۔شہزادے تیمور اور شہزادے حاتم کو ساتھ دیکھ کر اسے بھی اپنا بھائی شدت سے یاد آیا تھا۔ایک مرتبہ ابوالحسن کو سزا ہو جائے تو وہ اس سے ملنے ضرور جائے گا۔اس نے دل ہی دل میں ارادہ کیا۔

پھر اپنی جیکٹ کی اندرونی جیب سے ایک قطب نما نکالا۔اس کے ڈھکن کے اوپر 'ز' گڑھا تھا۔اس نے وہ کھولا تو ڈھکن کے اندرونی جانب قرآن پاک کی ایک آیات لکھی تھی۔

www.novelsclubb.com

"اور اس نے تمہیں راستے سے ناواقف پایا تو سیدھا راستہ دکھایا۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وائل بن آدم بہت کم بازیگروں کو ہنگامی اجلاس کے لیے طلب کرتا تھا۔آج اس نے ایسا کیا تھا تو بات یقیناً اہم تھی۔

علینہ ایک مریض کا معائنہ کر رہی تھی جب آٹھ سالہ علی اسے ایک کاغذ پکڑا کر گیا تھا۔

اس نے ساتھی ملازموں سے ذرا بچ کر اسے کھولا۔

آج رات فوری طور پر غزال آ کے ملو۔

بغیر کسی عنوان کے چھوٹی سی ایک سطر درج تھی۔

وہ اپنا کام نبٹانے کے بعد سرمئی رنگ کا چغہ اوڑھے اور کندھے پر اپنے تھیلے کی پٹی پہنے، مریض خانے سے نکل کر قلبلار کی سب سے زیادہ مہلک گلیوں کی طرف چل دی۔

سورج ڈھلے کئی ساعتیں بیت چکی تھیں۔ مگر قلبلار کی تنگ و تند گلیوں میں اس وقت بھی لوگوں کا کافی رش لگا تھا۔

کہا جاتا تھا قلبلار روشنیوں کا شہر ہے کیونکہ وہاں کے چراغ دیر رات تک جلتے رہتے تھے۔ مگر ان روشنیوں کے پیچھے کون سا اندھیرا تھا یہ بات بھی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں تھی۔

شرفاء سے آباد گلیوں سے گزرتے ہوئے علینہ دیکھ سکتی تھی کہ ہموار چھتوں والے اونچے مکانوں کے چراغ جل رہے تھے۔کچھ لوگ بالکونیوں میں بیٹھے رات کا کھانا کھا رہے تھے تو کچھ خوش گپیوں میں مشغول دکھائی دیتے۔

اور پھر یونہی محتاط سی ہو کر چلتے چلتے وہ قلبلار کے سب سے زیادہ خطرناک علاقے میں پہنچ گئی۔قلبلار کا دل۔ قلب۔

جوا گھر.... کوٹھے.... میخانے.... بدمعاشوں کے اڈے.... چوروں ڈکیتوں کے گھڑ.... غرض کیا تھا جو قلب میں پایا نہیں جاتا تھا۔بدقسمت تھے وہ لوگ جن کا ان بدنام گلیوں سے کسی بھی قسم کا کوئی واسطہ تھا۔اور بدقسمت ترین تھی علینہ کیونکہ وہ قلبلار کے کئی پیشہ ور مجرموں اور بدنامِ زمانہ ڈاکوؤں کے گروہوں میں سے ایک گروہ کا حصہ تھی۔

قلبلار اس مخصوص گروہ کو ان کے کارناموں کی وجہ سے بازیگروں کے نام سے جانتا تھا۔کیونکہ وہ کبھی ہارتے نہیں تھے۔وائل کی قیادت میں ہر بازی جیت جاتے تھے۔

مگر سوال یہ تھا کہ آج وائل نے کس بازی کو جیتنے کے لیے ان سب کو وہاں مدعو کیا تھا؟ آج وہ کس کو لوٹنے والا تھا؟

ابھی کل ہی تو ان لوگوں نے عجائب گھر سے لافانی ققنوس چرایا تھا۔ اور کیا شاندار منصوب بنایا تھا وائل بن آدم نے۔ کچھ عرصہ تک تو کسی کو کانوں کان خبر تک نہیں ہو گی کہ اصلی شاہکار کو چرا لیا گیا ہے۔

وہ غزال نامی قہوہ خانے کے داخلی دروازے کے پاس پہنچی تو اسے حیرت ہوئی۔ گو کہ ارد گرد کے قہوہ خانوں اور جو اگھروں میں کافی لوگ جمع تھے، غزال کے اندرونی اور بیرونی، دونوں کرسیاں میز خالی تھے۔ عموماً وہاں لوگوں کا کافی رش لگا ہوتا تھا۔ رات کے اس پہر وہاں اکثر تعداد قلبلار میں منتقل ہوئے مہاجروں کی ہوتی تھی۔ جب کہ چند گنڈے موالی بھی وہیں بیٹھ کے چائے پیا کرتے تھے۔ حریم اور وائل کی اس بات پر کئی مرتبہ بحث بھی ہو چکی تھی کہ رات کو کون وہاں آئے گا اور کس پر پابندی لگائی جائے گی۔ مگر اب تک کوئی خاص حل نکل نہیں پایا تھا۔

غزال کو حریم نے اپنے پاؤں پہ کھڑا کیا تھا۔ غزال کی حقیقی مالک وہ تھی۔ مگر

گذشتہ چھ ماہ سے، دن میں قہوہ خانہ حریم کی ملکیت ہوتا تھا تو رات کو وائل کی۔ وہ اکثر چڑ جاتی تھی کہ وہ گنڈے بد معاشوں کو کیوں گھسنے دیتا تھا۔ ان دونوں کے بیچ غزال کی ملکیت میں شراکت داری کا معاہدہ کیسے طے پایا یہ علینہ نہیں جانتی تھی۔ مگر ایسا معاہدہ تھا، یہ بات وہ پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتی تھی۔

"جلدی اندر آؤ۔ سب تمہارا ہی انتظار کر رہے ہیں۔" حریم اُجلت میں باہر نکلی اور علینہ کو بازو سے تھام کے اندر لے جانے لگی۔

"مگر کیوں؟ وائل نے اچانک کیوں بلایا ہے؟"

"ابھی تک کچھ بتایا نہیں اس نے۔ تمہارا انتظار کر رہا تھا۔"

وہ دونوں اندر پہنچیں تو حریم نے پیچھے سے دروازہ بند کر دیا۔ علینہ نے مرکزی ہال کے اطراف میں نظر دوڑائی۔ ساری کھڑکیاں بند تھیں۔ صرف ایک بلب کے علاوہ سارے بلب بھی بجھے ہوئے تھے۔ وہ دونوں باورچی خانے میں بنے زینے اتر کر تہہ خانے میں پہنچی تو وائل اور حرم کے علاوہ ایک انجان لڑکا بھی وہاں موجود تھا۔ علینہ نے آج سے پہلے اسے بازیگروں کے درمیان کبھی نہیں دیکھا تھا۔ یقیناً وہ بیچا

رہ بھی وائل بن آدم کی عقاب نظروں کا شکار ہونے کے بعد اس کا ایک قیمتی اثاثہ بن گیا ہو گا۔ نجانے کتنے عرصے کا معاہدہ ہوا ہو گا دونوں کے بیچ؟

وہ تینوں مستطیل میز کے گرد کرسیوں پہ براجمان تھے۔یوں کہ وائل نے سربراہی کرسی سنبھالی ہوئی تھی۔علینہ قریب آئی اور ایک کرسی نکال کر حرم کی مخالف سمت میں بیٹھ گئی۔ حریم نے بھی ساتھ والی کرسی سنبھال لی۔اب وہ سب اپنے سیٹھ کے بولنے کے منتظر تھے۔وائل چند لمحے خاموشی سے کچھ سوچتا رہا۔ بلآخر اس نے کہنا شروع کیا۔

"آج میں نے تم چاروں کو یہاں کسی چوری یا ڈکیتی کی منصوبہ سازی پر روشنی ڈالنے کے لیے نہیں بلایا۔" وہ ہمیشہ کی طرح سنجیدہ تھا۔

"جیسے ہم تو تمہیں جانتے ہی نہیں۔" حریم طنز سے بڑبڑائی۔

وائل نے گھور کے حریم کو دیکھا۔پھر مسکرایا۔پورے دل سے۔بہت ہی معنی خیز مسکراہٹ تھی۔ جیسے اسے کچھ یاد آیا ہو۔ حرم اور علینہ نے نظروں کا تبادلہ کیا۔ جبکہ حریم اور انجان لڑکا وائل کو تجسس سے گھورتے رہے۔

مسکرانا وائل کی خصوصیت نہیں تھی۔ وہ صرف لوگوں کی بے بسی پہ استہزاء سے مسکرانے کا عادی تھا۔ مگر جب کبھی لاشعوری طور پہ تہہ دل سے مسکرا دیتا تھا تو اچھا لگتا تھا۔

یہ احساس ہونے پر کہ وہ مسکرا رہا ہے فوراً سنبھلا۔ "سب سے پہلے میرے گروہ کے نئے فرد سے ملو۔" سپاٹ انداز میں اس نے انجان لڑکے کی طرف اشارہ کیا۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور اپنا تعارف کروانے لگا۔ "میرا نام سیف بن خلیل ہے۔ میں ایک کیمیادان ہوں اور حداد سے ہجرت کر کے یہاں آیا ہوں۔ وائل بن آدم نے مجھ سے رابطہ کیا اور میری خصوصی خدمات کے بدلے قلبلار جیسے خطرناک شہر میں حفاظت فراہم کرنے کی پیش کش کی جسے میں نے کافی سوچ بچار کے بعد قبول کر لیا۔ میں...."

"سیف بس اتنا کافی ہے۔" وائل نے ہاتھ اٹھا کے اسے ٹوک دیا۔ وہ بجھے سے دل کے ساتھ واپس کرسی پر بیٹھ گیا۔ شاید وہ کافی لمبی تقریر کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

پھر وائل کے تاثرات مزید سخت ہوئے۔ "ہمیں ایک کام کی پیش کش کی گئی

ہے۔ تھوڑا مشکل ہے مگر مجھے تم سب پر بھروسہ ہے۔ تم لوگ کر لو گے۔"

"مگر کام ہے کیا؟" حرم نے پوچھا۔

"نہران کے زندان سے ایک قیدی کو بازیافت کروا کے قائرہ تک پہنچانا ہے۔" وائل نے جواب دیا۔ علینہ سمیت سب کو سانپ سونگھ گیا۔

انہوں نے آج تک اَن گنت چوریاں کی تھیں۔ لاتعداد اغوا کیے تھے۔ ڈھیروں لڑائیوں میں حصہ لیا تھا۔ مگر یہ کام مختلف تھا۔ مشرقِ وسطی کے سب سے زیادہ محفوظ جیل سے کسی کو غائب کرنا بہت مشکل.... ناممکن کام تھا۔

وائل نے ایک گہری سانس لینے کے بعد دوبارہ کہنا شروع کیا۔ "اس کام کے لیے ہمیں اتنی بڑی رقم دی جا رہی ہے کہ آئندہ تین سالوں تک اگر ہم سب آرام کریں تو بھی آسائشوں سے بھرپور زندگی گزار سکتے ہیں۔" وائل نے چند لمحے توقف کر کے ان چاروں کو باری باری دیکھا۔ "تم پانچوں کا حصہ نکال کے ممکن ہے آزاد منزل کی تزئین و آرائش بھی ہو جائے۔"

(پانچوں کا حصہ؟ پانچواں فرد کون ہے؟)

"اور ریم اگر تم اپنا حصہ مجھے دے دو تو تمہارا غزال واپس تمہارا ہو سکتا ہے۔"

آخری جملہ اس نے حریم کی طرف چہرہ موڑ کے ادا کیا۔

حریم نے آنکھیں گول گمائیں۔"میں اپنا حصہ اپنے پاس رکھوں گی۔"

"مگر ہمیں نہران کی کسی گلی نکڑ تک کا نہیں معلوم اور فیض یہاں ہے نہیں۔ہم اتنی بڑی واردات کریں گے کیسے ؟"علینہ اس ساری گفتگو میں پہلی مرتبہ بولی تھی۔

"اس کی فکر تم مت کرو علینہ۔نہران کا تفصیلی نقشہ معلوم کرنا میرا کام ہے۔" اس نے تحمل مزاجی سے کہا۔

اچانک ٹن کی آواز آئی تو سب کی نظریں بے ساختہ چھت کی طرف سرکیں۔

"میرے پاس ایک بندہ ہے جو ایک دو مرتبہ نہران کا دورہ کر چکا ہے۔"وائل نے اپنی گفتگو جاری رکھتے ہوئے آنکھوں سے حرم کو اوپر جانے کا اشارہ کیا۔

وہ احتیاط سے تہہ خانے میں موجود دوسرا دروازہ؛ جس میں لگی سیڑھیاں اوپری منزل کے انبار خانے تک جاتی تھیں، کھول کے اوپر گیا۔

"وہ ہمیں نہران کا تفصیلی نقشہ بنا کر دے سکتا ہے۔" وائل کہہ رہا تھا مگر ان سب کا دھیان حرم کی طرف ہی تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ باورچی خانے والی سیڑھیوں سے اپنے ایک ہم عمر لڑکے کو گریبان سے پکڑ کے اندر لایا۔

حرم کے نچلے ہونٹ سے خون نکل رہا تھا اور اس لڑکے کی پیشانی پہ بھی چوٹ لگی تھی۔ یقیناً دونوں کے بیچ ہاتھا پائی ہوئی تھی۔ حرم نے اسے ایک کرسی پہ دھکیل کر زبردستی بٹھایا۔ پھر اپنی آستین سے ہونٹ پہ لگا خون صاف کیا۔

وائل اپنی نشست سے اٹھا اور میز کے گرد گھوم کر اس لڑکے کے سامنے جا رکا۔

"جاسوسی کرنے آئے تھے ہماری؟" اس کی پرسکون آواز چار دیواری میں گونجی۔

"نہیں۔" اس لڑکے نے نفی میں سر ہلایا۔ "میں تو بس قریب سے گزر رہا تھا۔ قسم سے میں کوئی جاسوسی کرنے نہیں آیا تھا۔"

"بکواس بند کرو اپنی۔" حریم نے تنقیدی نظروں سے اسے گھورا۔ "میرے غزال میں گھس آئے ہو اور کہہ رہے ہو قریب سے گزر رہا تھا۔" اسی کے انداز

میں نقل اتارتے ہوئے ناگواری سے کہا۔

"کس گروہ سے تعلق ہے اس کا؟" وائل نے حرم سے پوچھا۔

"مارخور گروہ کا جاسوس ہے یہ۔ حالانکہ جاسوسی کی الف بے بھی نہیں آتی اسے۔" حرم طنز سے بولا۔ "جبیل نام ہے اس کا۔"

وائل نے اپنے سیاہ بوٹ میں جکڑا چاقو نکالا۔ پھر کرسی پر ذرا جھک کر چاقو سست روی سے لڑکے کے جبڑے پر پھیرا۔ اسے ٹھنڈے پسینے آنے لگے۔

"پیارے جبیل۔" وہ چاقو مسلسل اس کے گال پر پھیر رہا تھا۔ "مجھے بتاؤ کے تم اپنی زبان سے ہاتھ دھونا پسند کرو گے یا جان سے؟"

جبیل نے بہت سارا تھوک اندر نگلا۔ "کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ میں تمہاری زبان کاٹوں یا پھر شہ رگ؟" وہ جبیل سے نرم اور دھیمے لہجے میں مخاطب تھا۔

اس کی پیشانی پر پسینے کی بوندیں نمایاں ہوئیں۔

"وائل۔" اس نے دوبارہ تھوک نگلا۔ "میں ویسے بھی مارخوروں کو چھوڑنے

والا تھا۔خدا کے لیے مجھے کوئی نقصان نہ پہنچاؤ، میں تمہارے کام آسکتا ہوں۔ہو سکتا ہے مستقبل میں تمہیں میری ضرورت پڑے۔اور ضرورت کے وقت تو...."

"میں گدھے کو باپ نہیں بناتا۔" وائل سیدھا ہو کر کھڑا ہوا اور حتمی انداز میں جملہ مکمل کیا۔"تمہارے پاس دس پل ہیں۔فیصلہ کرو، کیا کرنا ہے۔ورنہ اس کے بعد میں خود طے کروں گا کے تمہارے ساتھ کیا، کیا جائے۔" اس کے لہجے کی ابدی سختی واپس آچکی تھی۔

جبیل کے ہاتھوں میں لرزش پیدا ہوئی۔اس کی رنگت سفید پڑنے لگی۔اس نے اضطرابی انداز میں ہاتھ سے پیشانی کو مسلا۔

www.novelsclubb.com

دس پل گزر گئے مگر وہ کچھ نہیں بولا۔جان کا انتخاب کرنا مشکل نہیں ہوتا مگر بنا آواز کے زندہ رہنا بھی آسان نہیں ہوتا۔

علینہ کی نظر سیف پر پڑی تو وہ چونکی۔اس کی رنگت بھی سفید پڑی ہوئی تھی۔ اس کے لیے یہ پاگل پن یقیناً نیا تھا۔

"علینہ اسے کچھ ایسا کھلاؤ یا پلاؤ کہ یہ ایک ہفتے تک ہوش میں نہ آئے۔ ورنہ میں اسے ہمیشہ کے لیے بے ہوش کر دوں گا۔" وہ تحکم سے کہتا واپس کرسی پہ جا بیٹھا۔

علینہ نے اپنے تھیلے سے ایک مائع کی شیشی نکال کے حرم کو تھمائی جو اس نے کرسی پہ سہم کے بیٹھے لڑکے کی طرف بڑھائی۔

"اگر ہمیشہ کے لیے سونا نہیں چاہتے تو اسے پی لو میرے بھائی۔" حرم نے قدرے ہمدردی سے جبیل کا چہرہ تھپکا۔ "زہر نہیں ہے۔ مسکن دوا ہے۔ کچھ دنوں تک بس بے ہوش رہو گے تم۔"

"ہیں؟" جبیل نے امید سے حرم کو دیکھا۔

"دیکھو بھائی، تم میری اپنی برادری کے ہی ہو۔ مجھے تم سے ہمدردی ہے اسی لیے کہہ رہا ہوں اسے پی لو۔" حرم نے شیشی جبیل سے واپس لے کر اس کا ڈھکن کھول کر دوبارہ اسے پکڑائی۔ اس نے قدرے ڈر، سہم کر مائع اپنے منہ میں انڈیل دیا۔ اسے پیتے ساتھ ہی اس کی پلکیں کانپنے لگی تھیں۔

جو مائع علینہ نے اسے دیا تھا وہ بے ہوشی کی دوا کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ مگر

جب دوا موثر ہونا شروع ہوتی تو انسان خود کو کسی خواب کی سی کیفیت میں محسوس کرتا۔ یقیناً جب وہ ہوش میں آئے گا تو اسے تھوڑی دیر پہلے ہونے والی باتیں بھی خواب ہی لگیں گی۔

"پانچواں کون ہے وائل؟" حرم واپس آکر بیٹھا تو علینہ نے پوچھا۔

"امیرہ۔" اپنے سامنے کھلے سالنامے میں ایک تاریخ کے گرد دائرہ بناتے ہوئے اس کا انداز عارضی سا تھا۔

سیف کے علاوہ باقی تینوں نے اسے تعجب سے دیکھا۔

"مگر وہ تو..." علینہ نے کہنے کے لیے لب کھولے۔ مگر وائل نے اس کی بات بیچ میں ہی کاٹ دی۔

www.novelsclubb.com

"وہ کل واپس آرہی ہے۔" وہ ابھی بھی سالنامے کی طرف ہی متوجہ تھا۔

"ہاں۔ مگر تم نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ اس کے اور اس کے دین کے درمیان نہیں آؤ گے۔" حریم نے اسے اس کا وعدہ یاد دلاتے ہوئے احتجاج کیا۔

"میں نے یہ وعدہ ضرور کیا تھا لیکن مدت نہیں بتائی تھی۔" وہ اثر لیے بغیر بولا۔

"کیا مطلب تم نے مدت نہیں بتائی تھی؟"اس کی آواز غیر دانستا طور پر اونچی ہوئی۔

وائل نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔"مطلب یہ کہ میں نے جو وعدہ کیا تھا اس کی میعاد امیرہ کے واپس آتے ساتھ ہی ختم ہو جائے گی۔"

"تم اس طرح...."

"ریم اس بارے میں اب کوئی بحث نہیں ہو گی۔"اس نے دو ٹوک انداز میں تنبیہ کی تو حریم نے لب بھینچے۔ مگر علینہ کو یقین تھا، وہ دل ہی دل میں اسے لعن تلعن کر رہی ہو گی۔

علینہ نے ایک نظر جبیل پر ماری۔اس کی آنکھیں اب مکمل بند تھیں۔

"اور کام کی تفصیلات سیٹھ۔"حرم نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"وہ ایک مرتبہ نہران کا نقشہ مل جائے پھر تفصیل سے بتاؤں گا۔ تم سب مجھے صرف یہ بتاؤ کہ اس خطرناک کام کے لیے تیار ہو؟"اس نے کیلنڈر بند کر کے رکھا اور دونوں ہاتھ باہم پھنسا کر ان تینوں کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"کیا ہمارے پاس انکار کرنے کا انتخاب ہے؟" حریم نے اکھڑتا تاثرات اور قدرے خفگی سے آنکھیں گول کیں۔

"افسوس کے ساتھ، مگر نہیں۔" کہہ کر وہ اٹھا گیا۔ اپنا کوٹ اور ہیٹ اٹھائی اور زینے چڑھ کر تہہ خانے سے باہر نکل گیا۔

"بہت ہی وعدہ خلاف شخص ہے وائل۔" حریم نے ماتھے پر بل لیے سر جھٹکا۔

"اور خطرناک بھی۔" سیف نے قدرے جھجک کر شامل کیا۔

"اور بے رحم بھی۔" حرم نے کرسی پر بے ہوش پڑے جبیل کی طرف دیکھتے ہوئے ایک اور صفت کا اضافہ کیا۔

"اور چال باز بھی۔" علینہ نے بھی اپنا حصہ ڈال دیا۔

"ویسے سیٹھ نے امیرہ کی بات مان کر اسے قائرہ جانے کی اجازت دے دی، یہ بھی غنیمت جانو۔" حرم نے دونوں ہاتھ سر کے پیچھے باندھے۔ "یہی بات امیرہ کی جگہ کسی اور نے کی ہوتی تو وائل بن آدم کا کہنا ہوتا اپنے بیدار ضمیر کو واپس سُلا دو۔"

"امیرہ وائل بن آدم کی کوئی خاص ہے؟" سیف کا لہجہ پُر تجسس ہوا۔

حرم جواب دینے لگا مگر اس سے پہلے حریم بول پڑی۔ "وائل بن آدم کا صرف ایک ہی خاص ہے۔"

"کون؟" سیف مسکراتے چہرے کے ساتھ میز پہ آگے جھکا۔

"وہ خود۔" حریم نے ہونہہ کر کے ناک سے جیسے مکھی اڑائی۔ پھر وائل کی نقل اتار کر اسی کی طرح سنجیدہ انداز میں بولی۔ "میں وہ وعدے نہیں کرتا جو نبھا نہ سکوں۔"

حرم کی ہنسی چھوٹ گئی۔ علینہ بھی مسکرائی۔

"وعدہ خلاف کہیں کا!" وہ ابھی تک اسی بات کو لے کر بیٹھی تھی۔

اچانک سیڑھیوں پہ زور سے کچھ گرنے کی آواز آئی تو وہ تینوں گڑبڑا کر اٹھے۔ ذرا آگے آئے تو دیکھا۔ وائل سیڑھیوں کے دہانے پر اوندھے منہ اپڑا تھا۔ اس کی ہیٹ ایک طرف کو گری تھی اور سر سے کافی خون نکل رہا تھا۔ بلاشبہ اسے بہت گہری چوٹ آئی تھی۔ وہ چاروں جلدی سے اس کی طرف بڑھے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

باقی آئندہ۔انشاءاللہ!

www.novelsclubb.com